369

مدیرِ اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
حفظہ اللہ
مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

فروری ۲۰۱۵ء

مجلس التحقیق الاسلامی

۴ پاکستان میں قیامِ امن کی حالیہ جدوجہد!
۲۰ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بحرانوں کا حل
۴۱ جواب آں غزل در اسلام اور ریاست؛ ایک جوابی بیانیہ
۵۸ سِول سوسائٹی، پاکستان اور اسلام

تبلیغ دین کے لئے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان

ویب سائٹس

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

محدث لائبریری
KitaboSunnat.com

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com

یومیہ 15000 وزیٹر
ہر لمحہ 2000 قارئین

زیر سرپرستی	زیر نگرانی	علمی معاونت	فنی معاونت
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی	ڈاکٹر حافظ انس نضر	قاری مصطفیٰ راسخ	انجینئر محمد شاکر اعوان
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی	قاری خضر حیات	انجینئر عمیر حسن راجہ

خصوصیات

- اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لئے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
- تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
- تمام ویب سائٹس پر تبصرے و جائزے اور تاثرات و شماریات کی سہولت

جاری پروگرام

محدث لائبریری
(KitaboSunnat.com)
- یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
- حالات کی مناسبت سے اہم مضامین

محدث فتویٰ
(UrduFatwa.com)
تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ
نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات

محدث میگزین
(Magazine.Mohaddis.com)
45 سال کے تقریباً 90 فیصد شمارے
(Unicode / PDF)

محدث فورم
(Forum.Mohaddis.com)
موضوعات: 20829 ترسیلات: 170731
اراکین: 2497

مستقبل کے منصوبے

- حدیث پراجیکٹ
- محدث یونیکوڈ لائبریری
- محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن
- رسائل و جرائد سیکشن

ماہانہ اخراجات پونے دو لاکھ روپے

زیر اہتمام مجلس التحقیق الاسلامی J-99 ماڈل ٹاؤن، لاہور

Mobile: +92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com
Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore **Swift Code:** ALFPKKA093

magazine.mohaddis.com

مِلّتِ اِسلامیہ کا علمی و اِصلاحی مجلّہ

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی حفظہ اللہ

ماہنامہ
مُحدِّث
لاہور پاکستان

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد ۴۷ | فروری ۲۰۱۵ء ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ | عدد ۱

مجلس اِدارت
ڈاکٹر حافظ انس مدنی | ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی
حافظ عمران الٰہی | محمد کامران طاہر

نائب مدیر
محمد نعمان فاروقی

انتظام و ترسیل
محمد اصغر
03054600861

فہرست مضامین

فکر و نظر
پاکستان میں قیامِ امن کی حالیہ جدوجہد! — عبد اللہ حسن — ۴

فقہ السیرۃ
سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بحرانوں کا حل — محمد نعمان فاروقی — ۲۰

تحقیق و تنقید
جوابِ آں غزل در 'اسلام اور ریاست؛ ایک جوابی بیانیہ' — ڈاکٹر حافظ محمد زبیر — ۴۱

اسلام اور مغرب
سِول سوسائٹی، پاکستان اور اسلام — محسن فارانی — ۵۸

تہذیب و ثقافت
ہندوستان میں مذہب اور سیکولرازم کی کشمکش — پروفیسر محمد عاصم حفیظ — ۶۹

زر سالانہ =/۳۰۰ روپے
فی شمارہ =/۶۰ روپے
بیرونِ ملک
زر سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۴ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن لاہور 54700

042-35866476
35866396
Email:
IRC99J@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

Designing,: by Print Care. 0333-4091017 / 0315-4590351

محدّث کتاب و سنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے، ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں!

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں قیامِ امن کی حالیہ جدوجہد!

١٦ دسمبر، اہل پاکستان کے لیے پہلے ہی ایک الم ناک یادگار رکھتا تھا۔ یہی دن تھا جب عالمِ اسلام کی سب سے بڑی ریاست، پاکستان دولخت ہوئی، اور پاکستان کے ازلی دشمن بھارت نے ریاستی دہشت گردی کے ذریعے سقوطِ ڈھاکہ کروایا اور کہا کہ ہم نے آج تقسیم ہند کا بدلہ لے لیا۔ برسہابرس بعد پھر اسی دن، امن دشمن قوتوں کی طرف سے پشاور آرمی پبلک سکول میں معصوم بچوں کو نشانہ بنا کر وحشت ناک ظلم وبربریت کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ اس واقعہ نے اہل وطن کو ہلا کے رکھ دیا، علمائے کرام سمیت ہر طبقہ نے اس سانحہ کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی۔ دوسری جانب دین بیزار سیکولر طبقہ نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے، اس سانحہ کو آڑ بنا کر نظریۂ اسلام کو نقصان پہنچانے اور اس کو دہشت گردی سے متہم کرنے کی منظّم مہم کا آغاز کردیا۔ معصوم بچوں کی الم ناک شہادت کو دینی تعلیم اور اس کے حامل راسخ العقیدہ علما کے خلاف کاروائیوں کی وجہِ جواز بنا دیا گیا۔ انتہا پسندی پر قائم ہر دو رویے قابل تنقید اور مسائل پیدا کرنے کی بنیاد ہیں۔

'اسلام' دینِ امن ہے، نبی اسلام رحمۃ للعالمین ہیں، اسلام میں ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے[1]، نبی کریم ﷺ نے ایک مسلمان کے ناروا قتل کو، دنیا جہاں کی تباہی سے سنگین تر قرار[2] دیا ہے۔ شرک کے بعد قتل کو بدترین ظلم[3] بتایا گیا اور ناروا قتل کے

١ ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدۃ:٣٢)

٢ «لَزوالُ الدنيا أهونُ على الله من قتلِ رجُلٍ مُسلِم» حديثٌ صحيحٌ؛ رواه الترمذي

٣ ... يا رسول الله! أيُّ الذنب أكبر؟ قال: «أن تجعلَ لله نِدًّا وهو خلقَك»، قلتُ: ثم أيٌّ؟ قال: «أن تقتُلَ ولدَك خشيةَ أن يطعمَ معك» رواه البخاري ومسلم

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

بدلے قاتل کو جینے کے حق سے محروم کر دینے یعنی قصاص لینے کو اسلام نے حیوٰۃ قرار[1] دیا ہے۔ قیامت کے دن اجتماعی معاملات میں سب سے پہلے خونِ ناحق کا فیصلہ[2] کیا جائے گا اور ایک ناحق خون میں اگر دنیا جہاں کے لوگ شریک پائے گئے تو اللہ تعالیٰ اس ظلم کی پاداش میں ان سب کو نارِ جہنم میں جھونک[3] دیں گے۔

اسلام تو کسی انسان کی طرف تیز دھار شے سے اشارہ کرنے کو جائز قرار[4] نہیں دیتا۔ انسان تو ایک طرف رہے، کسی جاندار کی بلاوجہ جان لے لینا قیامت کے دن باعثِ گرفت ہو گا اور چڑیا، مرغی جیسے بے ضرر پرندے روزِ قیامت اپنے خالق کے سامنے اس امر کی دہائی دیں گے کہ فلاں شخص نے بلاوجہ میری جان لی[5]، اور ظالم کو اس ظلم کا جواب دینا ہو گا۔ انسان کو تو اپنی جان لینے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی[6] اور جو شخص خودکشی کا ارتکاب کرے گا، تو وہ روزِ محشر اسی آلۂ قتل کے ساتھ اللہ عزوجل کے سامنے پیش ہو گا، اور اسے ہمیشہ کے لیے یوں ہی اپنے آپ کو قتل کرتے رہنے کی سزا سنائی[7] جائے گی۔

پشاور آرمی سکول کے واقعہ میں سو سے زائد بچوں کو جس طرح موت کے گھاٹ اُتارا گیا، ایسے ظلم کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بہت سے مواقع پر انسانوں کو قتل کرنے کے بہیمانہ واقعات تو ملتے ہیں، لیکن معصوم بچوں کو نشانہ بنا کر اُنہیں قتل کر دینا وحشت کی ایسی شرم ناک مثال ہے جس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ یہ بھی درست ہے کہ ڈرون حملوں اور بم دھماکوں میں بھی بڑی تعداد میں بچے شہید ہوتے رہے ہیں، جو ایک بدترین ظلم ہے، لیکن ان حملوں میں براہِ راست صرف بچوں کو نشانہ نہیں بنایا جاتا رہا۔

---

۱ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۷۹)

۲ «أولُ ما يُقضَى بين الناس يوم القيامة في الدماء» رواه البخاري ومسلم

۳ «لو أن أهلَ السماء والأرض اشترَكوا في دم مؤمنٍ لأكبَّهم الله في النار» صحيحٌ؛ رواه الترمذي

۴ «من أشارَ إلى أخيه بحديدةٍ فإن الملائكةَ تلعَنُه، حتى وإن كان أخاه لأبيه وأمِّه» مسلم والترمذي

۵ «من قتلَ عُصفورًا عبثًا عجَّ إلى الله يوم القيامة، يقول: يا ربِّ إن فلانًا قتَلَني عبثًا ولم يقتُلني لمنفعَة»؛ رواه النسائي و أحمد

۶ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (النساء:۲۹)

۷ «....ومن قتلَ نفسَه بحديدةٍ، فحديدتُه في يدِه يجأُ بها في بطنِه في نار جهنَّم خالدًا مُخلَّدًا فيها أبدًا»؛ رواه البخاري ومسلم

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

اسلام کی رو سے کسی کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جا سکتی اور کسی معصوم بچے کو قتل کرنا تو سراسر زیادتی ہے۔ جیسا کہ سیدنا خبیب انصاری رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ موجود ہے، جب دھوکہ سے اُن کو قید کر کے آخرکار اُن کو شہید کر دیا گیا۔ دورانِ قید اُن کے ہاتھ میں ظالموں کا بچہ اور تیز دھار اُسترا آ گئے تو اُنہوں نے اس بچے کو نقصان پہنچانے کے بجائے فرمایا: «تَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذَلِكَ»[1] "کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اس کو قتل کر دوں گا، ہرگز نہیں۔"

انسانی اخلاقیات اور شریعتِ اسلامیہ ہر دو اعتبار سے معصوم بچوں کو نشانہ بنانا ممنوع اور مذموم عمل ہے، حتیٰ کہ ایسی عورت جس کی بدکاری کی وجہ سے اس کا مقدر قتل کی سزا تھی، حاملہ ہونے کی وجہ سے اس کی سزا کو بھی مؤخر کر دیا جاتا ہے اور اس کی سزا کے نفاذ کو نبی کریم ﷺ نے اس وقت تک مؤخر کر دیا جب تک اس کا بچہ ولادت کے بعد ماں کے دودھ سے مستغنی نہیں ہو گیا۔[2]

مذکورہ بالا دلائل کی بنا پر دیکھا جائے تو پشاور آرمی سکول میں ہونے والے اس سانحہ کا کسی طرح بھی کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا، یہ انسانیت سوز فعل اور سراسر غیر اسلامی عمل ہے!!

وطنِ عزیز پاکستان میں اس نوع کے سانحات و حادثات تسلسل کے ساتھ کیوں رونما ہو رہے ہیں؟ کن اسباب کی بنا پر یہ دہشت گردی اور ہلاکت خیزی بڑھتی جا رہی ہے؟ مزید یہ کہ نظریاتی اور مذہبی و مسلکی تفریق کو کیوں ہوا دے کر مزید گہرا اور نمایاں کیا جا رہا ہے؟ سرکاری اقدامات کیوں مذہبی طبقے کی ناراضی کا باعث بن رہے ہیں؟ ظاہر ہے یہ ایک لمبا اور کثیر الجہت موضوع ہے، جس کے تانے بانے کئی سالوں، ممالک اور متعدد محرکات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ فی الوقت ان کثیر پہلوؤں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے پشاور میں دہشت گردی کے حالیہ واقعہ پر حکومتی ذمہ داریوں اور ان کے اختیار کردہ اقدامات اور رویوں کو ہم زیر بحث لاتے ہیں۔

سانحۂ پشاور کی شدت نے حکومتِ پاکستان کے اعصاب کو لرزا دیا، اور آئندہ دنوں میں ایک طرف حکومتی کارپردازوں نے 'نیشنل ایکشن پلان' کے نام سے ۲۰ نکاتی لائحۂ عمل تشکیل دیا تو دوسری طرف کچھ ہی دنوں میں آئین میں اکیسویں ترمیم متعارف کرائی گئی، جس کے نتیجے میں برطانوی ہفت روزہ

---

۱ صحیح بخاری: ۳۰۴۵، باب ہل یستاسر الرجل؟

۲ فقال ﷺ: «إِذًا لَا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهُ مَنْ يُرْضِعُهُ...» (صحیح مسلم: ۱۶۹۵)
"ہم کیوں کر اس کو سنگسار کر سکتے ہیں، حالانکہ اس کا چھوٹا بچہ ہے، اس بچے کو دودھ کون پلائے گا؟"

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

اکانومسٹ اور نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق فوج ڈرائیونگ سیٹ پر آگئی، عسکری قیادت پر کھلے اعتماد کا اظہار کیا گیا اور دہشت گردی کے خاتمے میں اس کے موقف اور اقدام کو قومی سطح پر تسلیم کر لیا گیا۔ ماضی کی مضبوط مزاحمت کار اعلیٰ عدلیہ پر برتری حاصل کرتے ہوئے فوجی عدالتوں کو دہشت گردی کے مسئلے کا حل قرار دے دیا گیا[1]۔ 'نیشنل ایکشن پلان' کی رو سے سزا یافتہ دہشت گردوں کو پھانسی دینا، ملک میں کسی مسلح لشکر کو قائم یا مؤثر ہونے کی اجازت نہ دینا، نفرت انگیز تقاریر اور شدت پسندی والے لٹریچر پر پابندی، دہشت گردوں اور دہشت گرد تنظیموں کو فنڈز کی فراہمی پر بندش، کسی اور نام کے استعمال پر گرفت، مدارس کی رجسٹریشن اور ضابطہ عمل کی تشکیل، مذہبی دراز دستیوں کے خلاف مؤثر اقدامات، دہشت گرد تنظیموں / افراد کا ہر طرح میڈیا پر بائیکاٹ، اور انکے مواصلاتی نیٹ ورک مسمار کرنا وغیرہ کے اہداف شامل کیے گئے۔ اکیسویں آئینی ترمیم کی منظوری سے اہم ترین مقصد یہ حاصل کیا گیا کہ دہشت گردی کے واقعات کو فوجی عدالتوں میں پیش کیا جائے گا، اور فوجی عدالتوں میں پیش کرنے کی پابندی صرف ایسے افراد پر لاگو ہوگی، جو کسی مذہب یا مذہبی فرقے کے حوالے سے مشہور ہوں۔ مذکورہ بالا دونوں اقدامات کے حوالے سے ہماری معروضات حسبِ ذیل ہیں:

① سب سے پہلے تو یہ حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کی ذمّہ داری قبول کرے۔ کئی سالوں سے یہ روایت پختہ ہو رہی ہے کہ کسی بھی ہلاکت خیز واقعہ کے بعد میڈیا پر یہ تاثر قائم کر کے کہ یہ کام دہشت گردوں نے کیا ہے، اور ان کی طرف سے کسی نامعلوم کال کرنے والے نے ذمّہ داری اُٹھالی ہے، حکمران اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بظاہر اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جاتے ہیں کہ اب یہ قتل ہو جانے والے گویا اندھے قتل کا مصداق بن گئے ہیں اور ان کو انصاف اُس دن ہی ملے گا، یا قتل و غارت کا یہ سلسلہ اس وقت ہی تھمے گا، جب دہشت گردی کی یہ جنگ ختم ہو جائے گی۔ حکومت کا یہ رویّہ سراسر غلط اور اپنی ذمّہ داریوں سے نگاہیں چرانے کے مترادف ہے۔ اگر پاکستان اس طویل اور لامتناہی جنگ کا شکار ہے، تو اس کی وجہ بھی سابقہ حکومتوں کی پالیسیاں ہی ہیں۔ موجودہ وزیر داخلہ، آغازِ حکومت میں اس بیانیہ کو پوری شدت سے پیش کیا کرتے تھے۔ قیامِ امن کے لیے اُنہوں نے عسکری گروپوں سے مذاکرات کی

[1] روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۲ر جنوری ۲۰۱۵ء

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

راہ بھی اختیار کی۔ ان حکومتی اقدامات کو بعض عناصر اور ڈرون حملوں نے ناکام بنانے کی سرتوڑ کوششیں کیں، مذاکرات کی مخالفت کی اور آخرِکار فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا جسے امریکہ، برطانیہ وغیرہ کی طرف سے بھی سراہا گیا۔

پاکستان میں دہشت گردی جس بھیانک اور انسانیت سوز مرحلے میں داخل ہو چکی ہے، اس کے مقابلے کے لیے حکومت کو پوری قوت اور تدبیر سے کام لینا ہو گا۔ ایک ایٹمی اور عسکری طاقت ہونے کے ناطے پاکستان پر باہر سے تو تباہی مسلط نہیں کی جا سکتی۔ اس واحد مسلم ایٹمی طاقت کو اس کے دشمن، داخلی جنگ میں ہی گرفتار کر کے، اپنے مذموم مقاصد پورے کر سکتے ہیں۔

② پاکستان میں امن وامان کا قیام حکومت کا اوّلین فریضہ ہے، جس پر ہی اس کی کامیابی وناکامی کا دارومدار ہے۔ یہ جنگ اس وقت اخلاقی جواز کھو دے گی، جب یہ تاثر گہرا ہو جائے کہ یہ پاکستان کی بجائے غیروں کے مفادات کے لیے کی جانے والی جدوجہد ہے، اور اس میں غیروں کے مفادات کو تحفظ دیا جاتا اور ان کی ہدایات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ 'ضربِ عضب' کے نام سے پاک فوج کے آپریشن پر اگر امریکی افواج وسفارت کار پاکستانی فورسز کی تائید کرتیں اور ان کو لیشن سپورٹ فنڈ جاری کرتی ہیں، تو اس سے فوری طور پر یہ اندیشہ سر اُٹھاتا ہے کہ پاکستان کی جنگ میں غیروں کے کونسے مفادات کی پاسداری کی جا رہی ہے جس کی تائید کے لیے ان کی سفارتیں اور اموال وترغیبات آگے آ رہے ہیں۔ اس جدوجہد کو شبہات سے بالکل پاک ہونا چاہیے۔

③ دہشت گردی اور بدامنی ایک ناسور ہے جس کا ہر قیمت پر خاتمہ ضروری ہے۔ یہ عزم جس طرح مصمّم ارادہ کا محتاج ہے، اسی طرح اس کے نفاذ میں کسی قسم کی ذاتی پسند وناپسند کو بھی آڑے نہیں آنا چاہیے۔ آئین میں ہونے والی حالیہ اکیسویں ترمیم میں واضح طور پر یہ امتیاز نظر آتا ہے کہ یہ ترمیم دہشت گردی کے سلسلے میں صرف مذہبی طبقات کو نشانہ بنانے کے لیے کی گئی ہے، دہشت گردی کا اقدام اگر کوئی دین ومذہب کی بنا پر کرے تو اکیسویں ترمیم کے ذریعے اس کو توسیدھا فوجی عدالتوں کے سپرد کرنے کی قانون سازی کر دی گئی ہے، جب کہ یہی جرائم اگر کسی دین بیزار شخص یا تنظیم سے، مذہب کے حوالے کے بغیر سرزد ہوں تو اس کے لیے عام قانون اور عام عدالتیں کافی سمجھی گئی ہیں۔ اس بنا پر یہ ترمیم مذہبی طبقات کے خلاف واضح امتیاز پر مبنی اور جرم سے قبل فردِ جرم

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

قرار پاتی ہے، اور اس میں ریاست کے تمام شہریوں کے مابین مساوات کے شرعی و جمہوری حق کو پامال کیا گیا ہے۔ ۷ جنوری کو منظور ہونے والی یہ ترمیم کل تین نکات پر مشتمل ہے جس میں دوسرے نکتے کا یہ حصہ بطور خاص قابل توجہ ہے:

"پاکستان کے دستور کے آرٹیکل ۱۷۵ میں، شق نمبر ۳ کے بعد اس جملہ کا اضافہ کیا جائے:

Provided that the provisions of this Article shall have no application to the trial of persons under any of the Acts metnioned at serial No. 6, 7, 8 and 9 of sub-part III or Part I of the First Schedule, who claims, or is known, to belong to any terrorist group or organization using the name of religion or a sect.

"...(دستور کے آرٹیکل نمبر ۱۷۵ کا) ایسے شخص کے مقدمہ پر اطلاق نہیں ہوگا جو اس ترمیم کے نکتہ ۱ یا نکتہ ۳ کی شق ۶ تا ۹ کے تحت آتے ہوئے کسی مذہب یا مذہبی فرقے سے تعلق رکھنے والی تنظیم / گروہ سے تعلق رکھتا ہو (یا مشہور ہو)۔"

قانون سازی میں ایسا صریح امتیاز، انصاف کے تقاضوں کے سراسر منافی ہے، دہشت گردی کے خاتمے کے لیے یہ امتیازی رویہ، اس ساری مہم کو اخلاقی تائید اور کامیابی سے محروم کر دے گا۔ حکومت کو اپنے سیاسی مفادات اور جوڑ توڑ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے تمام طبقات کے لیے مساوی اور قابل قبول بنانا ہوگا، تبھی اس کا کوئی فائدہ ہوگا، وگرنہ یہ سب ایک بے کار مشق کے مترادف قرار پائے گا اور اس حساس مرحلے پر یہ امتیاز قوم کو مزید تقسیم کر دے گا۔ حکومت کو اچھے اور برے دہشت گرد کی تقسیم کرنے کی بجائے، ہر دہشت گرد اور امن دشمن کے ساتھ ایک ہی جیسا سخت برتاؤ کرنا چاہیے۔ جس طرح قانون کو ہر فرد پر یکساں نافذ ہونا چاہیے، اسی طرح ملک کے چپے چپے، ہر تنظیم، ہر ادارہ، ہر شخص اور ہر چھوٹے بڑے پر اس کا یکساں نفاذ ہونا چاہیے۔ زیارت ریذیڈنسی کو آگ لگانے اور قائد اعظم کی تصاویر کو پاؤں تلے روندنے، بسوں کو روک کر شناختی کارڈ چیک کرنے اور پنجابیوں کو نشانہ بنانے، کوئٹہ میں پنجابی ڈاکٹروں، پروفیسروں کو قتل کرنے، بلوچستان کی آزادی کا نعرہ لگانے، تعلیمی اداروں میں قومی ترانے کی ممانعت کرنیوالے اور بلدیہ ٹاؤن میں ۲۹۰ ورکروں کو زندہ جلا دینے والے ظالم دہشت گردوں کو فوجی عدالتوں میں کیوں پیش نہیں کیا جائے گا۔ کیا ایسے واقعات کی روک تھام کی

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

پاکستان کو کوئی ضرورت نہیں۔

نبی ﷺ نے سابقہ قوموں کی ہلاکت وزوال کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ «أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمِ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمِ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[1]

"اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ ان میں کوئی نامور شخص اگر چوری چکاری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کمزور شخص اس جرم کا ارتکاب کرتا تو اس پر قانون کے شکنجے کس دیتے۔ واللہ اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔"

اور اسی بات کا قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ ﴾[2]

"اور جب لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ تمہیں خوب ہی نصیحت کرتا ہے، بلاشبہ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔"

④ وطن عزیز میں بہت سے اسلامی ادارے کام کر رہے ہیں جن کی تائید وتعاون ملک کے علاوہ بیرونِ ملک سے بھی مسلمان بھائی کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ملتِ اسلامیہ ایک جسدِ واحد ہے، اور ملت کے مختلف حصّے اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے مسائل سے کبھی غافل نہیں رہ سکتے۔ اسی بنا پر پاکستان کے مسلمان بھی دنیا بھر کے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک نظر آتے ہیں اور اپنے مال وزبان سے ان کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ پہلے بھی ملت کے اس عظیم نظریے سے کاٹ کر اہل پاکستان سے بیرونی تعاون پر بے جا بندشیں عائد کی گئیں اور اب بھی یہی رویہ دہرایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف پاکستان میں ہزاروں این جی اوز مغربی ممالک کے علانیہ فنڈ سے، اس ملک وملت کے خلاف ایجنڈے پر مصروفِ عمل ہیں۔ اسلامی اداروں کو تو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ حکومت کے علم میں لائے بغیر کسی اسلامی ادارے، یا ملک سے کوئی فنڈ حاصل نہیں کر سکتے، دوسری طرف

---

۱ صحیح مسلم: ۸، باب قطع السارق الشریف

۲ سورۃ النساء: ۵۸

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

امریکہ کھلم کھلا یو ایس ایڈ کے نام پر، ہزاروں تنظیموں کو اور مغربی ممالک کے سیکڑوں ڈونرز، کھمبیوں کی طرح اُگنے والی این جی اوز کو گرانٹ اور فنڈز کے نام پر بھاری رقوم دیتے ہیں۔ جن کا مقصد پاکستان کو مغربی طرزِ معاشرت میں ڈھالنا اور مغربی قوموں کے مفادات کی پاسداری کرنا ہوتا ہے۔ ایسے ڈونرز کی ڈائریکٹریاں اور ان کی دلچسپی کے موضوعات نہ صرف باقاعدہ مشتہر ہوتے ہیں بلکہ بہت سے پس پردہ مقاصد کے لیے بھی وہ بے دریغ ڈالرز دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ نیشنل ایکشن پلان کے تحت پولیس مختلف مذہبی تنظیموں کے ڈونیشن باکسز تو ضبط کرتی نظر آتی ہے، لیکن دوسری طرف پاکستانی مفادات کے خلاف بھارتی، اسرائیلی، یورپی اور امریکی گرانٹ سے چلنے والی این جی اوز کے لیے کوئی بندش نہیں۔ حکومت اگر بیرونِ ملک فنڈز کی روک تھام چاہتی اور ان پر نگرانی کی ضرورت سمجھتی ہے، تو اسے یہ اقدام بلا کسی امتیاز کے تمام تنظیموں کے لیے جاری کرنا چاہیے۔ بصورتِ دیگر یہ امتیازی رویہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

⑤ دہشت گردی کی اس جنگ میں حسبِ سابق دینی مدارس کو بلاوجہ ہدف بنالیا گیا ہے، جبکہ دہشت گردی کے مرتکب افراد میں دینی مدارس سے زیادہ جدید کالج یونیورسٹیوں کے لوگ ملوث نظر آتے ہیں۔ کبھی مدارس کی رجسٹریشن کا شوشہ چھوڑ دیا جاتا اور کبھی ان کی فرقہ واریت اور امداد زیر بحث آجاتی ہے۔ اس سلسلے میں واضح رہنا چاہیے کہ اہل مدارس کا یہ عزم ہے کہ دہشت گردی ایک ناسور ہے اور اس کا خاتمہ ہر قیمت پر ہونا چاہیے۔ مسجد و مدرسہ سے وابستہ لوگ اس تشدد وانتہاپسندی پر یقین نہیں رکھتے اور ایسے اقدامات کو دین کے لیے سمّ قاتل سمجھتے ہیں۔ حکومت اور مقتدر طبقہ کو مدارس کا نام لے کر، یا کبھی دس فیصد کو مشکوک ٹھہرا کر، ان کی سرعام مذمت کا رویہ اپنانے کی بجائے، ایسے مدارس کی دوٹوک نشاندہی کرنی چاہیے جو دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث ہیں۔ جس طرح کسی بھی طبقہ حیات کو جرم وزیادتی سے کلی طور پر بری قرار نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح بعید از امکان نہیں کہ اکا دکا غلط سرگرمیاں کسی مذہبی ادارے میں بھی دریافت ہو جائیں۔ ذمہ دارانِ مدارس کا یہ عزم ہے کہ حکومت حقائق کی بنا پر جن مدارس کو دہشت گرد ثابت کرے گی، تمام مدارس نہ صرف اُن کا بائیکاٹ کریں گے، بلکہ ان کی رکنیت منسوخ کرکے ان کی مذمت بھی کریں گے۔ جہاں تک مدارس کی رجسٹریشن کی بات ہے تو برسہابرس سے حکومت

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کے پاس رجسٹریشن کے لیے مدارس کی درجنوں درخواستیں جمع کرائی جاچکی ہیں، لیکن ان کی رجسٹریشن حکومتی ادارے خود نہیں کر رہے۔ یہی صورتحال مالی معاملات کی ہے کہ سالہا سال سے قومی بنک مدارس کے اکاؤنٹ کھولنے سے گریزاں ہیں، جب ان کے اکاؤنٹ کھلیں گے تب ہی اُن کی آمدنی کے ذرائع بھی علم میں آئیں گے، لیکن حکومتی ادارے مسائل کو حل کرنے کی بجائے، صرف مدارس پر الزامات عائد کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ امتیازی صورتحال مسائل حل کرنے کے بجائے ان میں مزید اضافہ پیدا کرنے کا سبب ہے۔

⑥ وطن عزیز میں جاری امن کی جدوجہد میں دہشت گردی، انتہاپسندی اور تعصّب و فرقہ بندی بظاہر بنیادی نظریاتی عوامل ہیں۔ جب تک نظریاتی بنیادوں پر نکھار نہیں ہوجاتا، اقدام اور مزاحمت و دفاع میں بھی وضاحت نہیں آئے گی۔ دہشت گردی کے دو پس منظر ہیں: ایک مذہبی فرقہ وارانہ دہشت گردی اور دوسری حکومت، عوام اور سیکورٹی اداروں کے خلاف سیاسی دہشت گردی۔ ہر دو کا پس منظر، اہداف اور لائحۂ عمل مختلف ہے۔ حکومت نے ان اصطلاحات کی مذمّت کرتے ہوئے، ان کی جامع مانع یعنی واضح تعریف اور حد بندی نہیں کی۔ مستزاد یہ کہ بعض صوبائی حکومتیں، سرکاری وسائل و اختیارات استعمال کرتے ہوئے ایک خاص مکتبِ فکر کو فرقہ وارانہ گروہ قرار دے کر اس کے لیے زمین تنگ کر رہے ہیں، ان کو پولیس مقابلوں میں 'پار' کیا جارہا ہے۔ بہت سے مقتدر عناصر نے اپنے مخصوص مفادات اور نظریات کو دہشت گردی کے وسیع تر اور من مانے مطالب پہناتے ہوئے، اس جنگ کے فوکس اور ہدف کو متاثر کرنا شروع کر دیا ہے جس سے اس کی تاثیر اور افادیت بے معنی ہوتی نظر آرہی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ ان اصطلاحات کے پس پردہ غلط معانی کو ختم کرنے کے لیے ایک واضح موقف پیش کرے۔ گرفت اور بندش کا منظم میکانزم تشکیل دے، وگرنہ کچھ عرصہ بعد ہم ایک اور سمت سے انہی مسائل کا سامنا کر رہے ہوں گے، اور مسائل حل ہونے کے بجائے گھمبیر تر ہوتے جائیں گے۔

⑦ پاکستان دنیا کے نقشے پر اسلام کے نام سے قائم ہونے والی واحد اسلامی ریاست ہے، اس لحاظ سے اسے ایک نظریے نے تخلیق و تشکیل کیا ہے۔ جب تک یہ نظریہ زندہ و پائندہ، اجتماعی و انفرادی زندگی میں متحرک و مؤثر اور جاری و ساری رہے گا، اس وقت تک پاکستان کے جسدِ قومی کو سنگین

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس نظریے کو ہی اگر تباہ کر دیا جاتا ہے تو اس کے شہریوں کو متحد و مرکوز رکھنے کی کوئی اور مضبوط بنیاد باقی نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے پاکستان میں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کی طرح نظریاتی فروغ و تحفظ کا بھی کوئی مضبوط ریاستی ادارہ بننا از حد ضروری ہے۔ مذکورہ بالا ریاستی ستونوں پر جب کوئی حرف گیری ہوتی ہے تو ان کا مضبوط قانونی وجود ان کے تحفظ کی ضمانت بن جاتا ہے، جب کہ اسلام اور نظریۂ پاکستان ہی ایسے یتیم ہیں کہ جس کا جی چاہے، ان کے خلاف ذو معنی جدوجہد شروع کر دیتا ہے۔ ملائیت، رجعت و دقیانوسیت، دہشت گردی اور فرقہ واریت کی آڑ میں اسلام کو برا بھلا کہا جاتا اور ملک کی نظریاتی بنیادوں کو کمزور کیا جاتا ہے۔ قیام امن کی اس جدوجہد میں بھی بد قسمتی سے مذہب اور دہشت گردی کو مترادف قرار دیا جا رہا ہے۔

اس وقت دہشت گردی کا مترادف 'اسلام' اور بدامنی کا مجرم 'مذہب' قرار پایا ہے، جبکہ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ امریکہ بہادر کے اس خطہ میں 'تشریف آوری' سے قبل یہاں سیاسی نوعیت کی دہشت گردی کا کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا، ہمارے شمالی اور سرحدی علاقہ جات میں بسنے والے پاکستانی محبِ وطن اور پرامن شمار ہوتے تھے، اب یہ میڈیا کی مہربانی ہے کہ عالمی طاقتوں کے مفاد و بربریت پر مبنی کھیل میں قرعۂ جرم اسلام کے نام نکال دیا گیا ہے اور حکومتِ وقت نے اس کو تسلیم کر کے، یک طرفہ اقدامات بھی شروع کر دیے ہیں۔

نیشنل ایکشن پلان اور اکیسویں آئینی ترمیم، ہر دو میں اسلام کو نشانے پہ رکھا گیا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ مغرب سے مفادات حاصل کرنے والا طبقہ بھی، اپنے میڈیائی اور سماجی و مالیاتی اثر و رسوخ کی بنا پر، اس جنگ کو اسلام کے خلاف مرکوز و مؤثر کرنے پر مصر ہے۔ بڑے شہروں میں حکومتی اداروں کی طرف سے جو پوسٹر چسپاں کیے جا رہے ہیں، یا بعض اوقات حکومتی سطح پر جو اشتہار شائع کیے جا رہے ہیں، ان میں جہاد، صدقات اور فلاحی مقاصد جیسے الفاظ استعمال کر کے اور کبھی سپیکر کے غلط استعمال کو روکنے کو دہشت گردی کے خلاف جنگ سے جوڑا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کون ایسا بے وقوف ہو گا جو کھلم کھلا سپیکروں پر دہشت گردی کا ارتکاب کرتا پھرے۔ مسجد و مدارس دہشت گردی کے خلاف یکسو ہیں، لیکن لبرل طبقہ کی مہربانی سے اُنہیں ایک حریف باور کر لیا گیا ہے۔ اگر محراب و منبر سے بھی ان کے خلاف منظم آواز اُٹھنا شروع ہو گئی تو پھر یہ ملک نظریاتی خانہ جنگی کی طرف چلا جائے گا۔ اس لیے مسئلہ

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کو مسئلہ تک ہی محدود رہنے دیا جائے اور غلط کار لوگوں کو اپنی بری خواہشات کا لبادہ اوڑھانے کا موقع نہ دیا جائے۔

اسلام ایک پرامن مذہب ہے اور اس پر عمل کرنے والے امن وسلامتی پر یقین رکھتے ہیں۔ جو لوگ دہشت گردی کو اسلام سے جوڑتے ہیں، اُنہیں فرانس میں گستاخانہ خاکے شائع کرنے والے اخبارات کی نظریاتی دہشت گردی پر توجہ دینی چاہیے۔ کسی قوم کے مقدسات اور کائنات کی متبرک ترین ہستی ﷺ کی توہین کرنا سب سے بڑی دہشت گردی ہے، جس سے کسی پرامن قوم کو ردّ عمل پر اکسایا جاتا ہے۔ دہشت گرد اہل مغرب نے توہین آمیز خاکے مسلسل اور مکرّر شائع کرنے کی خاموش تائید ہی نہیں کی، بلکہ ایسا کرنے والے اخبار کے خلاف جارحانہ اقدام کے جواب میں ۱۲ جنوری ۲۰۱۵ء کو پیرس میں ۱۵ لاکھ افراد پر مشتمل ایک عظیم جلوس نکال کر، اس مذموم رویے کی تصدیق بھی کی ہے جس میں یورپی ممالک کی تمام اہم سیاسی قیادت مجتمع تھی، اسی سے شہ پاکر اسی فرانسیسی اخبار نے سہ بارہ رسالت مآب ﷺ کے توہین آمیز کارٹون شائع کرکے اہل اسلام کے زخموں پر نمک پاشی کی ہے اور ایسے بعض روشن خیال مسلمانوں کو، جو اس اخبار پر جارحیت کے خلاف جلوس میں شریک تھے، اپنا حقیقی چہرہ دکھایا اور ان مسلمانوں کو بھی ذلّت سے دوچار کیا ہے۔ یہ ہے حقیقی دہشت گردی!!

⑧ حکومتِ وقت کو قانون سازی کرتے ہوئے، توازن واعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ وہ سب چیزیں جو اس سے قبل سراسر غلط مانی جاتیں، سانحۂ پشاور کے فوراً بعد مذہبی طبقات کے خلاف اُٹھائے جانے والے طوفانِ بلاخیز کے نتیجے میں جائز نظر آنے لگیں۔ اور اس کے لیے کسی قسم کے ثبوت یا منطقی جواز کی ضرورت بھی اضافی سمجھی جانے لگی۔ پنجاب حکومت نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سپیکر کے منافرت پر مبنی غلط استعمال کو ایک اہم بنیاد قرار دیتے ہوئے، لاؤڈ سپیکر زایکٹ منظور کرلیا۔ اس ضابطے کی رو سے ہر مسجد میں داخلی طور پر اور اذان وعربی خطبہ کے لیے بیرونی طور پر بھی محض ایک سپیکر کی اجازت دی گئی۔ قابل غور امر یہ ہے کہ سمتیں چار ہوتی ہیں: شمال وجنوب اور مشرق ومغرب، لیکن حکومتی بزرجمہروں نے نامعلوم کس منطق کی رو سے اذان کے لیے صرف ایک سپیکر کی اجازت دی، گویا نماز کی اطلاع کی ضرورت صرف ایک سمت میں رہنے والے مسلمانوں کو ہے۔ اخبارات میں حکومت کی طرف سے اس مضمون کے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

اشتہارات بھی شائع ہوگئے۔ یہی صورت حال اندرونی سپیکرز کی بھی ہے کہ مسجد کے داخلی ہال میں بھی مناسب آواز کے لیے ایک سپیکر کافی نہیں ہوتا، بلکہ برآمدہ اور صحن کے لیے اور جمعہ کے اجتماعات کے لیے اندرونی طور پر بھی ایک سے زیادہ سپیکرز کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حکومت کے عقل مند مشیر جب اس طرح دانش مندی اور پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اعلیٰ سطح پر بھی ان کی ہاں میں ہاں ملادی جاتی ہے تو پھر قانون شکنی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ایسے مضحکہ خیز اور ناقابل عمل قانون کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی مسجد حتی کہ سرکاری مساجد کی انتظامیہ بھی اس پر عمل کرنے پر قادر نہیں اور اس لحاظ سے پنجاب کی تمام مساجد قانون شکن ہیں، جس کی پاداش میں کسی بھی لمحہ کسی بھی مذہبی شخصیت پر شکنجہ کسا جاسکتا ہے۔ مزید برآں اس ایکٹ کی رو سے بھی لاؤڈ سپیکر کے مذہبی استعمال پر ہی گرفت کی جائے گی، اور اونچی آواز میں میوزک سنٹرز اور شادی بیاہ یا تقریبات کے موقع پر بیہودہ گانوں کو بجانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ واضح امتیاز اور برائی کا فروغ بھی قابل اصلاح ہے۔

یہی صورتِ حال اشتعال انگیز لٹریچر کی ہے، جس کے تدارک کے لیے محکمہ اوقاف کے تحت 'اتحاد بین المسلمین' کا وسیع تر بورڈ جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم مولانا فضل الرحیم اشرفی کی قیادت میں کام کررہا ہے۔ اوّل تو کسی بھی لٹریچر کے منافرت انگیز ہونے کا یہی قابل اعتماد حکومتی فورم ہے، لیکن اس سے بالا بالا مختلف تھانوں کی مؤثر شخصیات اپنی ذاتی پسند وناپسند کی بنا پر پولیس کے ذریعے اپنے مخالف ناشرین کے خلاف سخت اقدام کروادیتی ہیں، اور اس طرح لاہور کے متعدد نشریاتی اداروں کے ذمہ داران پولیس کی بے جا گرفت کا شکار ہیں، جس کا ایک منظر اُردو بازار لاہور میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح وہاں ناشرین پولیس کے ہاتھوں شاکی ہیں اور پولیس نے اپنے تئیں کس کس تحریر کو، دوسرے بااثر فرقے کے خلاف گردان کر قانون کا شکنجہ کسا ہوا ہے۔ اگر حکومتی سطح پر یہ اتحاد بین المسلمین بورڈ بعض کتابوں کے قابل اعتراض مواد کی بنا پر ان کی بندش کے آرڈرز جاری کر بھی دیتا ہے تو انہی کتب کے بذریعہ انٹرنیٹ یا دیگر الیکٹرونک آلات کی نشرواشاعت پر پابندی اور گرفت کا کوئی مؤثر نظام موجود نہیں۔ اگر پنجاب میں ایسے دل آزار لٹریچر کو منع کیا جاتا ہے تو دیگر صوبوں سے درآمد کا نام لے کر ایسا لٹریچر پھیلا دیا جاتا ہے۔ انتظامیہ کو ایک طرف جرائم کی روک تھام کے لیے متوازن

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

قانون سازی کرنی چاہیے، واضح نظام تشکیل دینا چاہیے اور دوسری طرف قانون شکن عناصر سے زیادہ تیز اور متحرک ہونا چاہیے، وگرنہ قانون اور اس کو نافذ کرنے والے ادارے عوام میں مذاق بن کر رہ جائیں گے۔

دو اُصولی باتیں

کسی جرم کے ثبوت اور اس کی سزا کا دنیا میں ایک معروف نظام ہے کہ ملزم کے خلاف فردِ جرم عائد کی جاتی، گواہوں یا اعتراف کی بنا پر اس کو ثابت کیا جاتا، شواہد کی بنا پر اس کو اعتراف اور بیانِ حقیقت پر مجبور کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں اسی طرح جرائم ثابت ہوتے اور اُن کی سزا دی جاتی ہے۔ میڈیا کے اس دور میں کچھ عرصہ سے جرم وسزا کی ایک نئی صورت متعارف ہوئی ہے جو سابقہ سب اُصول وضوابط کو ختم کرتی دکھائی دیتی ہے۔ کسی بھی واقعہ کو مخصوص رخ دینے کے لیے، میڈیا میں اس کے ایک مخصوص پہلو کو نمایاں کر دیا جاتا ہے، اس کی ذمہ داری کے لیے ایک نامعلوم فون کال کافی سمجھی جاتی اور اس کے بعد پوری قوم کا غم وغصہ مطلوبہ فرد یا گروہ کے خلاف مجتمع کر دیا جاتا ہے، اس کے بعد اس مبینہ مجرم کے خلاف ہر طرح کی زیادتی روا سمجھی جاتی ہے۔ پھر ایسے ہدف کو کھلے عام یا بلوۂ عوام میں قتل کر دیا جائے، اس پر ڈرون حملہ کر دیا جائے، یا ان پر بمباری کی شکل میں اجتماعی ہلاکت مسلط کر دی جائے، ان کے معصوم بچوں اور خواتین کے خون سے ہاتھ رنگے جائیں، ایسا سب کچھ جائز باور کر لیا جاتا ہے۔ عدالتی ٹرائل کے بالمقابل اسے 'میڈیا ٹرائل' کا نام دینا زیادہ موزوں ہے جو گذشتہ دو دہائیوں سے زیادہ مؤثر طریقۂ کار کے طور پر سامنے آیا ہے۔

نائن الیون کے سانحے کے بعد یہی حکمتِ عملی اپنائی گئی، میڈیا کے بل بوتے پر اسامہ بن لادن کو اس کا مجرم قرار دے کر، امریکہ اپنے پورے لاؤ لشکر سے افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ اور امریکہ نے اپنے چند سو شہریوں کی ہلاکت کا بدلہ افغانستان کی ہزاروں بستیوں کو تورا بورا بنا کر لے لیا۔ اس دور میں افغان حکمرانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ اُسامہ بن لادن پر یہ جرم ثابت کیا جائے تو وہ اس کو ہر طرح کی سزا دینے کو تیار ہیں لیکن آج تک اسامہ بن لادن پر نائن الیون کا جرم ثابت نہیں کیا گیا، البتہ اس کی اس موقع پر مسرت اور خوشی کو من مانا مطلب دیتے ہوئے، اس کو اس اقدام کا مرتکب خیال کر لیا گیا۔

پاکستان میں جاری دہشت گردی کی جنگ بھی ایسے ہی میڈیا ٹرائل کا شکار ہے۔ دہشت گردی کے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

واقعات انتہائی قابل مذمت، شرم ناک اور بھیانک ہیں اور ایسا کرنے والے کسی رعایت کے مستحق نہیں، ان کا جرم عدل وانصاف کی کسی میزان میں پورا نہیں اتر سکتا۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی نہیں ہونی چاہیے اور ان کو بدترین سزائیں دی جانی چاہئیں۔ لیکن یہ دہشت گردی کرنے والے لوگ ہیں کون؟ یہ سب سے اہم سوال ہے...!!

پاکستان، ایک عظیم عسکری ایٹمی اسلامی طاقت ہے۔ اس کے ہمسایوں میں چین وبھارت جیسی بڑی قوتیں موجود ہیں۔ گرم پانیوں، بلند پہاڑی سلسلوں، تجارتی راستوں، قیمتی معدنیات، اہم ترین محل وقوع کی حامل اس اہم اسلامی ریاست کے محنتی باشندے دنیا بھر میں اپنی قابلیت وذہانت کا سکہ منواتے ہیں۔ دنیا کی بڑی قوتیں پاکستان کو اس کے حال پر چھوڑنے کی بجائے، ہر دم کسی نہ کسی اُلجھن میں مشغول رکھنا اور اپنے مقاصد پورے کرنا چاہتی ہیں۔ اس بنا پر یہاں دنیا کی بڑی انٹیلی جنس ایجنسیاں کارفرما رہی ہیں۔ عالمی جہاد کا تیس سالہ عملی اور نظریاتی میدان رہنے کی وجہ سے بھی یہ ملک دوسروں کے لیے اجنبی نہیں ہے۔ امریکہ کا سب سے بڑا سفارتخانہ اور عملہ، اور بھارت کے پاکستانی سرحد پر بڑی تعداد میں قونصل خانے اور ان کی ناجائز، قانون شکن سرگرمیاں کسی سے مخفی نہیں۔ ان حالات میں پاکستان میں جاری بدامنی کے اس مسئلے کو یوں سادہ انداز میں سمجھا نہیں جاسکتا۔ مختلف عالمی ایجنسیاں اپنے مقاصد کے لیے اپنے ایجنٹ تلاش کرتی اور اسے من مانے مطالب پہناتی رہتی ہیں۔ سانحۂ پشاور سے صرف سات دن قبل، ذمہ داری قبول کرنے والے دہشت گرد گروہ کے سربراہ عمر خراسانی کی ملاقات بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی سے کابل میں ہوئی تھی جس سے اس حادثے کی بہت سی کڑیاں از خود مل جاتی ہیں۔

طویل عرصے سے جاری عسکری سرگرمیوں نے اس ملک میں بہت سے متحرک عناصر پیدا اور منظم کر دیے ہیں۔ اور ان سے کام لینے والوں نے، اپنے اہداف پورے ہو جانے کے بعد ان کو من مانی کے لیے کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ جہاد کے نام سے متحرک عناصر میں بہت سے مالی مفادات کے لیے بننے والے گروہ بھی ہیں، جن کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ ان گروہوں کے رجحانات، اہداف اور امکانات بھی مختلف ہیں۔ ان سے کسی بھی قسم کا کام لیا جاسکتا ہے جو کام لینے والے کی خواہش، حکمتِ عملی اور ذہانت پر منحصر ہے۔ حکومت کے لیے بڑا آسان ہوتا ہے کہ کسی بھی واقعہ کو دہشت گردی قرار دے کر، اپنی ذمہ داری سے آنکھیں چرا لی جائیں۔ اور یہ سب ملک دشمن عناصر، اس جرم کو آسانی سے طالبان یا اسلام کے کھاتے میں ڈال کر، اس ملک کو زمینی کے ساتھ نظریاتی نقصان پہنچانے میں بھی

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کامیاب رہتے ہیں۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ان منتشر و متحارب گروہوں سے آمنا سامنا اور جنگ جوئی کی بجائے، بات چیت کا راستہ اپنایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مختلف تنظیموں اور رجحانات پر علیحدہ علیحدہ کام کیا جائے۔ ان کی قوت کو منتشر کر کے اُن میں اپنے ساتھی تلاش کیے جائیں۔ اور آخر کار جو لوگ کسی بھی صورت پاکستان اور اس کے عوام کے ساتھ مفاہمت کرنے کو آمادہ نہیں ہوتے، جو قومی تنصیبات کو تباہ کرنے اور قوم کے خون کی ہولی کھیلنے پر مصر ہوں، اُن سے آہنی ہاتھ سے نمٹا جائے۔ فساد پر مصر لوگوں سے تو سختی سے نمٹنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں۔ ان میں جو لوگ قانون کی گرفت میں آجائیں اور ان کا جرم ثابت ہو جائے تو ان کو ہولناک اور عبرت ناک سزائیں دی جائیں، اس سلسلے میں کسی امتیاز اور رعایت سے کام نہ لیا جائے۔ فوج کے علاوہ عوام کو ہلاکت سے دوچار کرنے والے دہشت گردوں کو نشانِ عبرت بنایا جائے۔ ایسے مجرموں سے اُن کے ساتھیوں اور جڑوں تک پہنچا جائے۔

افسوس ناک صورتِ حال یہ ہے کہ سانحۂ پشاور کے نتیجے میں، دہشت گردی کے خلاف ساری جنگ کو دین پر عمل پیرا طبقہ، جو مساجد و مدارس کے ذریعے اسلام کی خدمت کر رہا ہے، کے خلاف مرکوز کر دیا گیا ہے۔ اس طرح گویا قوم کو نظریاتی طور پر بانٹتے ہوئے، اہل دین کو پہلے مجاہد اور پھر مجاہد کو دہشت گرد قرار دے دیا گیا۔ یہ وہی موقف ہے جو دنیا بھر میں عالمی میڈیا پھیلاتا اور امریکی و مغربی طاقتیں اس کی ہم نوا ہیں۔ اہل مغرب کے حالیہ موقف کی رو سے تو دنیا کا ہر مسلمان دہشت گرد ہے، جسے یقین نہیں وہ بیرون ملک پاکستان کے ہر شہری یا کسی یورپی ملک میں مسلم باشندوں کے بارے میں مغربی میڈیا کے رجحان کا مطالعہ کر لے، غور کیجئے کہ کیا اس موقف میں صداقت کی کوئی ادنیٰ رمق بھی ہے؟... ہم کس سمت لڑھک رہے اور کس کی زبان بولنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں؟

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ فوجی عدالتوں کے ذریعے ملک کے موجودہ عدالتی نظام پر بداعتمادی کی سیاہ چادر تان دی گئی ہے اور موجودہ نظامِ عدل کو حصولِ انصاف اور گھمبیر صورتحال کے تدارک کے لیے ناکافی قرار دے دیا گیا ہے۔ ایک طرف ان عدالتوں میں مذہب سے وابستہ افراد کو لے جا کر منی مارشل لا لگایا گیا ہے، جہاں قانونی ضابطے، عام شہری کی بجائے فوجی ملازمین والے جاری کئے جاتے ہیں تو دوسری طرف وہاں دی جانے والی سزا کے خلافِ اسلام ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بھی بہت سے اندیشے موجود ہیں۔ قرآنِ کریم کے واضح حکم کی رو سے مقتول کے ورثا کے لیے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

قاتل کو معافی کا حق حاصل ہے، لیکن ان عدالتوں سے سزا پانے والے اس شرعی حق سے محروم ہیں، جیسا کہ اخبارات میں پھانسی کا سزا یافتہ ایک کیس جنوری کے اوائل میں رپورٹ بھی ہو چکا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ عدالتی نظام یا دہشت گردی کی عدالتیں اس صورتحال کے لیے کافی کیوں نہیں؟ اگر ججوں یا عدالتی اہل کاروں کی حفاظت کا کوئی سنگین مسئلہ درپیش ہے تو عدالت کو فوج کی نگرانی میں دیا جاسکتا ہے لیکن پورے قانونی عمل کو ہی فوجی عدالتوں اور ان کے قوانین کے سپرد کر دینا واقعتاً شہری حقوق کے منافی ہے۔ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ ان عدالتوں میں ملزمان کو صفائی کا مناسب موقع نہیں ملتا اور دیگر شہریوں کے مساوی قانون ان پر لاگو نہیں کیا جاتا جو ان کا آئینی حق ہے۔ اگر حکومتِ وقت امن وامان کی ذمہ داریاں نبھا نہیں سکتی تو پھر پورے نظام حکومت کو ہی فوج کی نگرانی میں کیوں نہیں دے دیتی۔ آل پارٹیز کانفرنسز میں چیف آف آرمی سٹاف کی مسلسل شرکت اور ہر صوبے میں وزیر اعلیٰ کے ہمراہ کور کمانڈروں کی سیاسی اجلاسوں میں شرکت فوج کے سیاسی کردار میں غیر معمولی اضافہ کی غمازی کرتی ہے۔

اسی لیے وکلا کی سب سے بڑی تنظیم 'پاکستان بار کونسل' اور کئی وکلا تنظیمیں اکیسویں ترمیم کے خلاف اپنے احتجاج کو تدریجاً منظم کر رہی ہیں۔ ۲۹ جنوری کو اس ترمیم کے خلاف یوم سیاہ منانے کے علاوہ سپریم کورٹ میں آئینی درخواست بھی دائر کر دی گئی ہے، جس کی سماعت شروع ہو چکی ہے۔

مذکورہ بالا سطور میں اس توازن واحتیاط اور مضمرات کی نشاندہی کی گئی ہے جس کو پیش نظر رکھ کر ہی قیام امن کی اس جنگ کو کامیابی سے ہم کنار کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں کی ذہنی تربیت اور عمل سے پہلے فکر ونظر کے مرحلے میں قوم کو یکسو اور واضح ہونا ہوگا، ذہن ونظریہ کو بدل کر اُنہیں مطمئن کرنا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ میں بت توڑنے سے قبل لوگوں کی ذہن سازی کی، پھر فتح مکہ کے موقع پر بت پاشی کا موقع آیا۔ نظریاتی کشمکش میں مذہب سے دستبردار ہونے کی بجائے، اس کی تائید حاصل کرنا ہوگی۔ اور جیسا کہ آغاز میں ہم کہہ چکے ہیں کہ اسلام میں دہشت گردی اور اس بربریت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پاکستان میں جس تحریک کی تائید اسلام اور اہل اسلام نے کی ہے، اُسی نے کامیابی پائی ہے۔ مذہب کو دیوار سے لگانے کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ یہ نوشتہ دیوار ہے، جس کا جس قدر جلد ادراک ہو جائے، اتنا ہی بہتر ہے!! (عبد اللہ حسن)

magazine.mohaddis.com

محمد نعمان فاروقی

سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بحرانوں کا حل

قوموں کی زندگی میں مختلف نوعیت کے چھوٹے بڑے بحران آتے رہتے ہیں۔ زندہ قومیں ان بحرانوں کا عمدہ حل نکالتی ہیں اور ایسے بحرانوں کے اسباب پر غور کرتی ہیں تاکہ ان عوامل کو ختم کر دیا جائے جو قوموں کو بحرانوں میں دھکیلتے ہیں۔ پاکستانی قوم بھی جب کسی بحران کا شکار ہوتی ہے یا کوئی مشکل ٹوٹتی ہے تو یہ کئی ایک اقدامات کرتی ہے۔ لیکن یہاں کیے گئے اقدامات عارضی اور جزوقتی ثابت ہوتے ہیں اور اُس کے بعد قوم کسی اور بڑے حادثے کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایک مشکل گزرتی نہیں اور دوسری مصیبت آن پڑتی ہے...!!

آج تک بحرانوں کے حل کے لیے ہم نے جتنی بھی کاوشیں کیں، وہ ہماری انسانی بساط کی آئینہ دار تھیں، اس وجہ سے وہ کوئی مؤثر اور مستقل حل نہ نکال سکیں، اس لیے قوم کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے اس پہلو کو رکھنے کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ نے بحرانوں اور مشکلات کا سامنا کیسے کیا، اور مسلمان قوم کے لیے کیسا اُسوہ اور نمونہ چھوڑا۔

سیرتِ نبوی کا مطالعہ کریں تو آپ ﷺ کو مختلف مشکلات اور بحران گھیرا کیے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر آپ ﷺ بڑی حوصلہ مندی اور جرات سے ان بحرانوں سے کامیاب ہو کر نکل جاتے ہیں۔ کبھی میڈیا وار اور کبھی طعن و تشنیع کا گرم بازار، کہیں ظلم و تشدد اور کہیں عزت و ناموس پر حملے، کہیں اَعصابی جنگ اور کہیں اسلحہ کی جنگ، کہیں معاشی مسائل اور کہیں دشمن کی مکاریاں، کہیں حرمِ نبوی پر تہمتیں اور کہیں پہلی اسلامی ریاست کا گھیراؤ، کہیں منافقین کی شکل میں آستین کے سانپ اور کہیں یہود کی شکل میں مکار دشمن... مگر آپ ﷺ ان سب مشکلات پر بڑی حوصلہ مندی سے قابو پاتے جاتے ہیں۔ یہ حکمتِ عملی کیا تھی؟ بس یہی...

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وَروں سے حل نہ ہوا
وہ رازِ اِک کملی والےؐ نے بتلا دیا چند اشاروں میں

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ذیل میں کچھ بحرانوں اور ان کے نبوی حل کی تفصیل پیش کی جاتی ہے :

باہمی تصادم کا بحران

نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک مشکل مرحلہ یہ آیا کہ آپ کی قوم حجر اسود کی تنصیب میں جھگڑنے کے قریب ہے۔ ممکن ہے کہ قوم کسی بڑے بحران کا شکار ہو جائے، تلواریں نکل آئیں اور اپنوں ہی سے اپنے ہاتھ لہو رنگ ہو جائیں۔ اس مشکل ترین مرحلے میں آپ ﷺ نے ایسا فیصلہ کیا جس پر ساری قوم ہی جھک گئی، اور اسے تسلیم کر لیا۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ ایک بڑی چادر میں حجر اسود رکھا گیا اور تمام قبائل کے نمائندہ افراد سے وہ چادر اُٹھوائی گئی اور پھر آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود نصب کر دیا۔ یہ واقعہ محض نصاب میں شامل کرنے کا نہیں بلکہ ضرورت پڑنے پر عملاً اختیار کرنے کا بھی ہے۔ اب تو زخم خوردہ اور بٹی ہوئی قوم کے مزید بٹوارے کیے جاتے ہیں۔ ایسے فیصلے ہوتے ہیں کہ اپنی ہی قوم کو آتش و آہن میں نہلا دیا جاتا ہے۔ صلح اور مذاکرات ہی بہترین حل ہیں اور جیسا بھی ہو بالآخر تمام خلفشاروں کا حل مذاکرات ہی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ آپ ﷺ قرآنی حکم:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ... ﴾[1]

"یقیناً مؤمن بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔"

اور ﴿ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ... ﴾[2]

"اگر مؤمنوں کی دو جماعتوں میں قتل و غارت ہو جائے تو دونوں میں صلح کرا دیا کرو۔"

کے حکم پر عمل فرماتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ اپنے پیارے نواسے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر لے کر چڑھے اور فرمانے لگے:

«اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ»[3]

"میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اُمید ہے کہ اللہ عزّوجلّ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائے گا۔"

---

۱ سورۃ الحجرات:۱۰
۲ سورۃ الحجرات:۷
۳ صحیح بخاری:۳۶۲۹

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

قیادت اور سرداری کے لائق یقیناً وہی لوگ ہیں جو صلح کروائیں، آج ایسے لوگوں کی کمی ہے۔ اُمّتِ مسلمہ 'مارو اور مر جاؤ' کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ نبی ﷺ کی مذکورہ پیش گوئی پوری ہوتی ہے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس لشکر کی کمی تھی، نہ قوت میں کم تھے لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی پیشکش کو اُنہوں نے تسلیم کر لیا اور خلافت سے دستبردار ہو گئے، حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں کی باہمی جنگیں ہو چکی تھیں، اور بہت سی قیمتی جانیں ان جنگوں کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔ اُنہوں نے ماضی کی تلخیاں بھلا کر صلح کا اقدام کیا۔ وسیع تر امکانات کے باوجود صلح کر کے سرداری کا یہ شرف حاصل کرنا بڑے عظیم لوگوں کا کام ہے مگر اسے حاصل کرنا بھی بہت جرات و حوصلے کا تقاضا کرتا ہے۔

قومی مجرموں کے ساتھ برتاؤ

نبی ﷺ نے ایسے افراد کے متعلق بھی سخت اقدام کو پسند نہیں کیا جن کے متعلق پورا یقین تھا کہ وہ منافق ہیں، اور مسلمانوں سمیت اسلامی ریاست کو اُن کی وجہ سے خاصا نقصان بھی پہنچ رہا تھا۔ ایک دفعہ عبداللہ بن اُبی منافق نے یہاں تک کہہ دیا کہ "ہم اگر مدینہ واپس جائیں گے تو ہم میں سے عزت والا وہاں کے ذلیل (لوگوں) کو نکال دے گا۔" اس منافق کے یہ الفاظ سن کر سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اس خبیث کو قتل نہ کر دوں؟ فرمایا:

«لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّهُ كَانَ يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»[1]

"لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔"

یعنی دیگر اقوام کے ہاں بھی برا تاثر نہ پھیلے۔ کسی قوم کی صلاحیتیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوں، اسلحہ کے ڈھیر اپنوں کے خلاف چلتے رہیں، بارود کی بارش اپنوں ہی پر برستی رہے، اور اپنے ہی سپاہی اپنے ہی لوگوں کو تہ تیغ کرتے رہیں تو اس حدیث کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسی قومیں ناقص پالیسیوں کی وجہ سے جگ ہنسائی کا موقع بھی دیتی ہیں اور غلط تاثر بھی دیتی ہیں، اور دشمن تو پہلے ہی یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا اسلحہ بھی اپنا ہو اور جانیں بھی اپنی ہوں۔

حدیثِ مبارکہ میں یہ درس بھی ہے کہ دوسری اقوام کو کچھ کہنے کا موقع بھی نہیں دینا چاہیے۔ عہدِ

1 صحیح بخاری: ۳۵۱۸

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

نبوت میں میڈیا بھی اتنا تیز نہیں تھا۔ آج کا میڈیا تو اس قدر تیز ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ ابھی کسی سانحے سے ناآشنا ہوتے ہیں اور پوری دنیا میں خبر پہلے پھیل چکی ہوتی ہے۔

عبداللہ بن اُبی اور اس کے ہم نواؤں کے جرائم اور ریاست کے خلاف ریشہ دوانیوں کی فہرست بہت لمبی چوڑی تھی۔ مگر ایسا اقدام اُن کے خلاف بھی آپ ﷺ نے مصلحت کے تحت ناروا سمجھا۔ بارگاہِ نبوی سے ایسا کوئی تصور بھی محال تھا کہ بظاہر مسلمانوں ہی کے خلاف اندھا دھند کارروائی کی جائے، اور نہ کبھی مسلمانوں میں ایسا تصور اُبھرا تھا کہ وہ اپنی ہی ریاست کو نقصان پہنچائیں۔ جیسا کہ تبوک سے پیچھے رہنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے غسان کے بادشاہ نے تحریری طور پر رابطہ کیا، تو سیدنا کعبؓ نے اس خط کو قاصد کے سامنے ہی جلا دیا۔ لہٰذا ہمارے لیے رہنمائی ہے کہ نہ تو یہاں کے باسی ریاست کے خلاف کوئی اقدام کریں، اور نہ ہی ریاست اپنے باسیوں کے خلاف انتہائی اقدام کرے۔

باہمی افتراق و انتشار پر کنٹرول

رسولِ اکرم ﷺ نے مسلمانوں میں کبھی باہمی افتراق اور محاذ آرائی کی بو بھی محسوس کی تو اُسے فوراً فرو کیا۔ ایک سفر میں ایک انصاری اور مہاجر صحابی کے مابین شکر رنجی ہو گئی تو انصاری صحابی نے انصار کو اور مہاجر صحابی نے مہاجرین کو مدد کے لیے پکارا۔ یہ سننا تھا کہ آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے:

«مَا بَالُ دَعْوَى أَهْلِ الجَاهِلِيَّةِ؟» ”یہ اہل جاہلیت کے سے نعرے کیسے؟“

اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا: «مَا شَأْنُهُمْ؟» ”ان کو ہوا کیا ہے...؟“

آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ انصاری کی ٹانگ مہاجر کو لگ گئی تھی، فرمایا: «دَعُوهَا فَإِنَّهَا خَبِيثَةٌ»[1]

”ایسی (متعصبانہ) پکاروں کو چھوڑ دو، یہ بہت ہی ناپاک ہیں۔“

یہ ہیں تعلیماتِ نبویہ مگر ہمارے ہاں میڈیا آگے لگ کر قوم کو ایک دوسرے کے خلاف اُبھارتا ہے۔ ان کے بیانات بڑے کر کے لگاتا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف پروگرام کرواتا ہے، تعصّب کو

1 صحیح بخاری: ۳۵۱۸

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ہوا دیتا ہے۔ نہ جانے نبی ﷺ کے یہ الفاظ کہ "ایسے دعووں کو چھوڑ دو" کن کے لیے تھے؟ نامعلوم ریٹنگ، سنسنی خیزی، اور چٹ پٹی مصالحہ دار خبروں کا مغربی نظریۂ ابلاغ محمد عربی ﷺ کے پیروکاروں نے کیوں کر حرزِ جاں بنالیا...؟

آج تو ہر طرف سے متعصبانہ پکاریں ہی سننے کو ملتی ہیں، اور ان کے ذریعے نفرت کی دیواریں کھڑی کرنے اور انتقام کے شعلے بلند کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ جب باہمی انتشار پھیل رہا ہو، اس دوران اس موضوع کو زیر بحث نہیں بنانا چاہیے، اس پر کالم لکھ کر جلتی پر تیل کا کام نہیں کرنا چاہیے بلکہ اُسوۂ نبوی کی روشنی میں اسے چھوڑ دینا چاہیے۔

بائیکاٹ اور پابندیوں کے ذریعے مسلمانوں کو ایذا رسانی اور اس کا حل

مسلمانوں کو مشکلات و مصائب سے دوچار کرنے میں بائیکاٹ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ان پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں، ان کو حصار میں رکھا جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اُمت کے لیے شعبِ ابی طالب کے واقعے میں بہت واضح راہ نمائی موجود ہے۔

اہل مکہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب، خواہ وہ کافر تھے یا مسلمان، اُنہیں شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا، ان پر پابندی لگ گئی۔ ایسی مشکلات میں صبر اور حوصلے سے مسلمان یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ قریش نے اس بارے میں ایک صحیفہ بھی تیار کیا اور اسے کعبۃ اللہ کے ساتھ لٹکایا۔

اُمت کو انفرادی یا اجتماعی طور پر ایسی صورتِ حال پیش آئے تو اسے اس مشکل کو برداشت کرنا چاہیے۔ اپنوں کے ساتھ ساتھ دوسروں کی ہمدردیاں بھی حاصل کرنی چاہئیں۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے لوگ، سوائے ابو لہب کے، محصور تھے۔ علاوہ ازیں اس بائیکاٹ کو ختم کرانے والی تحریک کے سرخیل بھی کافر ہی تھے۔ ان میں سرفہرست ہشام بن عمرو بن عامر تھا اور حصار توڑنے میں زہیر بن ابی اُمیہ، مطعم بن عدی، زمعہ بن اسود اور ابو البختری اس کے ساتھ تھے۔

کفار کی چالوں نے آج ہمیں یہاں لا کھڑا کیا ہے کہ ایسے حالات میں ہم اغیار کی کیا اپنے پیاروں کی ہمدردیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کوئی دوسرا ہماری وکالت یا حمایت کیا کرے!! کیونکہ اُسنے مسلمانوں

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کو ایک دوسرے کا دشمن بنا کر پیش کیا ہے اور اسی 'دشمن' کا خاتمہ اوّلین فریضے کے طور پر ذہنوں میں بھر دیا ہے، اور اسے ایک اہم و مقدس فریضے کے طور پر اختیار کیا جانے لگا ہے۔ مشکلات اور بحرانوں سے نمٹنے کے لیے قوم کے پاس صبر واستقامت اور ہمت و حوصلے کی وافر مقدار بھی ہونی چاہیے۔

ظلم و تشدد کا مقابلہ

اَعصابی اور معاشی جنگ کے ساتھ ساتھ قریش کا ظلم و ستم بھی کم نہ تھا، اور یہ ظلم غلاموں کے ساتھ ہی نہیں تھا۔ ہر ایک اس ظلم کی چکی میں پس رہا تھا۔ ایسے حالات میں سیّدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ داستانِ خونچکاں آپ ﷺ کو سنانے کے لیے آئے۔ آپ ﷺ اس وقت چادر کا تکیہ بنائے کعبے کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللهِ لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الأَمْرَ، حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ»[1]

"تم سے پہلے لوگوں کے ساتھ تو اتنا کچھ ہوا کہ وہ ایک آدمی کے لیے گڑھا کھودتے اور اس کو اس میں ڈال کر آرا لاتے اور اس کے سر پر رکھ کر اسے دو حصّوں میں کاٹ دیتے۔ لیکن یہ مشکل بھی اُنہیں ان کے دین سے نہ روک پاتی۔ اسی طرح لوہے کی کنگھیاں لے کر جسم پر پھیری جاتیں اور گوشت تو کیا ہڈیاں اور پٹھے بھی نظر آنے لگتے، اس کے باوجود بھی وہ دین پر قائم رہے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ضرور اس معاملے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا، حتیٰ کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت کا بلا خوف و خطر سفر کرے گا، لیکن تم جلدی کرتے ہو۔"

ایسی مشکلات میں مثالیں بیان کر کے حوصلے بلند کرنے اور پہلوں کے مقابلے میں اپنی مشکلات کو ہلکا سمجھنے کا درس دیا جا رہا ہے۔ استقامت، صبر اور حوصلہ ہی ہے جو ظلم و تشدد کے سامنے جھکنے میں حائل

[1] صحیح بخاری: ۳۴۱۶

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ہو جاتا ہے۔ پھر ان مشکل ترین حالات میں اللہ کی قسم اُٹھا کر یہ فرمانا کہ اللہ اس معاملے کو ضرور انجام تک پہنچائے گا۔ یہ بہت امید افزا پیغام تھا۔ سیّدنا خباب اور دیگر مسلمان جن اذیتوں کو برداشت کر رہے تھے، ایسی صورت میں تو یہ ایک انتہائی مشکل نظر آتا تھا کہ اسکے بعد سکھ بھی ہو گا اور مثالی امن وسکون ہو گا۔ مگر آپ ﷺ نے اُن کی ڈھارس بندھائی اور امن وامان کی یہ صورتِ حال سامنے رکھی کہ ویران علاقوں میں بھی بلاخوف وخطر سفر ہوں گے۔ پھر چشم فلک نے ایسا مثالی امن دیکھ بھی لیا۔

اس حدیث میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ مشکلات جھیلنے کے عادی بنیں۔ مشکل حالات کا سامنا کرنے کی کوشش کریں اور اُمید کے پہلو تلاش کریں، اور بحرانوں سے نمٹنے کے نبوی طریق کار اور حکمتِ عملی پر غور کریں۔ مشکلیں قوموں پر آتی ہیں مگر کئی قومیں مشکلوں کے مقابلے میں ہار جاتی ہیں اور کئی قومیں مشکلوں سے گزر کر زندگی پا لیتی ہیں۔

معاشی بحران اور اُس کا حل

مکہ مکرمہ میں بھی اگرچہ معاشی مشکلات تھیں مگر وہاں کوئی ریاستی ذمہ داری نہ تھی۔ اس لیے گزر بسر ہوتی رہی۔ ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کے وجود میں آتے ہی معاشرتی آداب کے بعد پہلا سوال معیشت کے استحکام کا تھا۔ مدینہ منورہ کی ان دنوں جتنی بھی آبادی تھی، وہاں مہاجرین کی آمد سے معیشت کا متاثر ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اس معاشی بحران سے نمٹنے کے لیے آپ ﷺ نے واویلا نہیں کیا، امداد کا سوال نہیں کیا بلکہ حسب ذیل اقدامات کیے:

مؤاخات سے معیشت کا حل: اگر تمام مہاجرین کا بوجھ ریاست پر ڈال دیا جاتا تو یقیناً یہ ایک بڑی مشکل تھی۔ اس کا حل آپ ﷺ نے یہ نکالا کہ بھائی بندی کا سلسلہ قائم فرمایا۔ اس سلسلہ اخوّت کی مثال نہ پہلے کبھی سامنے آئی تھی، نہ بعد میں نظر آئی اور نہ ہی ایسا ممکن لگتا ہے۔ اس طرح ریاست کا بوجھ انفرادی طور پر تقسیم ہو گیا، اور انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین کا بھرپور ساتھ دینے لگے۔ مگر مہاجرین بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے والے نہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی محنت اور معاشی سرگرمیاں جاری رکھیں اور رفتہ رفتہ معیشت مستحکم ہونے لگی۔

سیّدنا سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے تو عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نصف مال دینے کی پیشکش کر دی

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مگر اُنہوں نے برکت کی دعا دے کر اُن سے کہا کہ مجھے بازار کا راستہ دکھائیں پھر اُنہوں نے کاروبار کیا اور شادی بھی کرلی...[1]

اب مؤاخات اس قدر اہمیت اختیار کر گئی کہ مہاجر و انصار ایک دوسرے کے وارث بننے لگے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾[2]

"اور رشتہ دار ہی ایک دوسرے سے زیادہ (وراثت) کا حق رکھتے ہیں۔"[3]

زکاۃ و صدقات سے معاشی استحکام: ۲ ہجری میں زکاۃ فرض ہوئی۔ اسی طرح آپ ﷺ صدقات کے طور پر خرچ کرنے پر اُبھارتے تھے۔ اس سے بھی معیشت کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا موقع میسر آیا۔ دولت محض امیروں تک محدود نہ رہی بلکہ غریبوں، مسکینوں، ناداروں اور بیواؤں میں تقسیم ہونے لگی۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر نہیں ہوئے بلکہ معاشی بوجھ تقسیم ہوتا گیا۔

کاروبار کے سنہرے اُصول: اس دوران آپ ﷺ نے مسلمانوں کو صداقت اور امانت و دیانت کے بنیادی اسباق کے ساتھ ساتھ کاروبار کے گر سکھائے۔ اُصول وضع کیے اور خود جا جا کر ان اُصول و ضوابط کی تنفیذ کا جائزہ لیتے۔ کسی کے ساتھ دھوکہ نہ ہو، کوئی زیادتی کا شکار نہ ہو اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

برکت کی دعا: اس کے ساتھ ساتھ مدینہ منور کے صاع اور مد (وزن کرنے کے پیمانوں) میں برکت کی دعا بھی فرمائی۔ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَفِيْ مُدِّنَا»[4]

"اے اللہ! ہمارے صاع اور مد میں برکت فرما۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو نمازِ وتر میں پڑھنے کے لیے جو قنوت سکھائی، اس میں یہ الفاظ بھی تھے: «وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ»[5]

---

۱ صحیح بخاری: ۱۹۴۴
۲ سورۃ الانفال: ۷۵
۳ سنن دار قطنی: ۸۶/۴، حدیث: ۶۷
۴ صحیح بخاری: ۱۷۹۰
۵ سنن ابی داؤد: ۱۲۶۳

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"اور جو تو نے مجھے عطا کیا ہے، اس میں برکت بھی دینا۔"

اس دعا کے ذریعے مسلمانوں کی ایک تربیت کی گئی کہ اللہ ہی عطا کرتا ہے اور ہمیں اسی سے برکت کی دعا کرنی چاہیے، اور جب کوئی مسلمان صدقِ دل سے برکت کی دعا کرے گا تو یقیناً برکت میں رکاوٹ بننے والی خامیوں سے دور رہے گا۔

بعض روایات میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے بازار قائم کرنے کا تذکرہ بھی آیا ہے، تاہم اس مفہوم کی احادیث مستند نہیں ہیں۔[1]

مالِ غنیمت سے معاشی استحکام: جنگوں سے حاصل ہونے والی غنیمتیں بھی اس نوخیز اسلامی ریاست کی معیشت کے استحکام میں بنیادی کردار ادا کر رہی تھیں۔ بدر، خیبر، بحرین اور فتح مکہ و حنین اس کی روشن مثالیں ہیں۔ حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو سو وسق سالانہ دیا کرتے تھے۔[2]

نبی کریم ﷺ معاشی استحکام کے لیے جو اقدامات کر رہے تھے، اس سے معاشی استحکام میں بہتری آتی جا رہی تھی۔ حسبِ ذیل روایت اس کی ترجمانی کرتی ہے۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"(شروع شروع میں) کسی فوت شدہ مقروض کو (جنازے کے لیے) لایا جاتا تو آپ ﷺ پوچھتے: «هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا» "کیا اس نے قرض اُتارنے کے لیے کوئی اضافی مال چھوڑا ہے۔"

اگر یہ کہا جاتا کہ اس نے قرض جتنی رقم وغیرہ پیچھے چھوڑی ہے تو اُس کا جنازہ پڑھاتے، بصورتِ دیگر مسلمانوں سے فرما دیتے: «صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ» "اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔"

پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات سے ہم کنار کیا تو آپ ﷺ فرماتے:

«أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ»[3]

---

۱ سنن ابن ماجہ: ۲۲۳۳
۲ صحیح بخاری: ۲۲۰۳؛ صحیح مسلم: ۱۵۵۱
۳ صحیح بخاری: ۲۲۹۸؛ صحیح مسلم: ۸۶۷

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"میں مؤمنوں کا ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں، لہٰذا جو مؤمن فوت ہو اور قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میں اپنے ذمے لیتا ہوں اور جس نے (وراثت میں) کوئی مال وغیرہ چھوڑا تو وہ (میں نہیں لوں گا بلکہ وہ) اس کے ورثا کے لیے ہے۔"

زیر بحث مضمون کے علاوہ مذکورہ حدیث یہ بھی بتاتی ہے کہ جب ملک کی معیشت مستحکم ہو تو عوام کو ریلیف دینا چاہیے، اور ریلیف کی نوعیت بھی بنیادی ضروریات سے متعلق ہو، اور اگر ریلیف کی کوئی صورت کچھ لوگوں سے متعلقہ ہو تو دوسروں کو واویلا اور احتجاج کرنے کی بجائے اسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ بہر حال یہ حدیث مدینہ منورہ کی معیشت کے تدریجی استحکام کی واضح دلیل ہے۔

یہی وہ یثرب تھا کہ نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے قبل یہود یہاں کی معیشت پر چھائے ہوئے تھے، رسول اکرم ﷺ کی پالیسیوں سے رفتہ رفتہ یہود کی معیشت کمزور ہوتی چلی گئی اور ویسے بھی وہ عہد شکنیوں کے باعث یہاں سے نکال دیے گئے۔ اس عرصے میں کسی مسلمان کے ذہن میں یہ سوال تک نہ آیا کہ یہود جو ہمارے سخت ترین دشمن ہیں وہ کاروبار اور معیشت پر چھائے ہوئے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو استحکام کیسے ملے گا؟ نہ ایسا کوئی سوال پیدا ہوا اور نہ مایوسی کی کیفیت اور نہ یہ کہ ہم کیسے ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ بس ایسا پیارا، نکھرا اور واضح نظام دیا گیا اور اس کا پہیہ گھمانے کے لیے خوفِ الٰہ کا ایسا درس دیا کہ عہدِ خلافتِ راشدہ تک وہ پہیہ تیزی سے کامیابی اور ترقی کی طرف گھومتا ہی چلا گیا۔

قومی سانحات اور اُن کا حل

نبی کریم ﷺ کے عہد میں کچھ تو انفرادی نوعیت کے سانحے پیش آئے مگر یہاں کچھ ایسے سانحات بھی رونما ہوئے جو اجتماعی اور قومی نوعیت کے تھے۔ اگرچہ کفار کی طرف سے جنگیں بپا کرنے کے بہت عظیم سانحات تھے مگر اب ہم کچھ دیگر سانحات پیش کرنا چاہتے ہیں یا پھر جنگِ احزاب کا کچھ تذکرہ جو اپنی نوعیت کا ایک بڑا سانحہ تھا جو اس پہلی اسلامی ریاست کو پیش آیا۔

سانحہ رجیع: نبی کریم ﷺ نے کم و بیش ۷ سے ۱۰ افراد پر مشتمل ایک جاسوسی دستہ سیّدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا۔ یہ عسفان کے قریب پہنچے تو ہذیل کے ایک قبیلے بنو لحیان نے ۱۰۰ تیر انداز ان کے تعاقب میں لگا دیے۔ مسلمانوں نے جب پڑاؤ ڈالا تو یہ پہنچ گئے اور اُنہوں نے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مسلمانوں کو گھیر لیا اور عہد و پیمان کا جھانسہ دے کر اُنہیں شہید کرنا شروع کر دیا۔ جبکہ سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو اُنہوں نے مکہ جا کر فروخت کر دیا۔ سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو خریدنے والے حارث بن عامر کے بیٹے تھے۔ وہ حارث جسے سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر میں جہنم واصل کیا تھا، جبکہ زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن اُمیہ نے اپنے باپ اُمیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کرنے کے لیے خرید لیا۔[1]

بئر معونہ کا حادثہ فاجعہ: جس ماہ آپ ﷺ نے رجیع کی طرف مہم جوئی کی، اسی ماہ میں بئر معونہ کا سانحہ بھی پیش آیا۔[2] اس مہم کے دو اسباب تھے: ایک تو یہ کہ رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان کے قبائل نے دشمن کے خلاف آپ ﷺ سے مدد طلب کی۔[3] اور دوسرا سبب یہ تھا کہ کچھ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیجیں جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے انصار کے ۷۰ آدمی روانہ فرمائے، اُنہیں قُرّاء کہا جاتا تھا۔[4]

راستے میں بنی سلیم کے دو قبائل رعل اور ذکوان بئر معونہ کے پاس حائل ہوئے۔ قُرّاء نے ان سے کہا: تم ہمارا ہدف نہیں ہو۔ ہم تو نبی کریم ﷺ کے کسی کام سے یہاں سے گزر رہے ہیں۔ مگر اُنہوں نے ان قُرّاء کو شہید کر دیا۔ اُنہوں نے شہادت کے بعد دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی ﷺ کو ہمارے بارے میں خبر دے دے کہ ہم اپنے ربّ سے مل چکے ہیں۔ ہم اس سے راضی ہیں اور اس نے ہمیں بھی راضی کر دیا ہے۔[5]

ان ۷۰ قراء میں سے ایک صحابی سیّدنا عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ بچ گئے اور قاتل قبیلے کے ایک سردار عامر بن طفیل کی قید میں تھے۔ اس نے اُنہیں اس لیے رہا کر دیا کہ اس کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی۔ ۷۰ قراء میں سے زندہ بچ جانے والے صحابی سیّدنا عمرو بن امیہ ضمری مدینہ منورہ جا رہے ہیں۔ راستے میں اُنہیں بنو عامر (قاتل قبیلے) کے دو افراد ملتے ہیں۔ سیّدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ

---

۱ صحیح بخاری: ۴۰۸۶؛ السیرۃ النبویۃ از ابن ہشام: ۳/ ۲۴۵
۲ السیرۃ النبویۃ از ابن ہشام: ۳/ ۲۶۰
۳ صحیح بخاری: ۴۰۹۰
۴ صحیح مسلم: ۶۷۷، بعد الحدیث: ۱۹۰۲
۵ صحیح بخاری: ۴۴۸۸، ۴۰۹۰

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

اپنے شہید ساتھیوں کا بدلہ لینے کے لیے ان دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ انہیں اس قبیلے سے نبی ﷺ کے عہد کا علم نہ تھا۔ جب اُنہوں نے نبی ﷺ کو ان دونوں کے قتل کی اطلاع دی تو آپ ؐ نے فرمایا:

«لَقَدْ قَتَلْتَ قَتِيلَيْنِ لَأَدِيَنَّهُمَا»[1]

"تم نے دو افراد قتل کیے ہیں، میں ضرور ان کی دیت ادا کروں گا۔"

واقعہ بئر معونہ بہت بڑا سانحہ تھا اور اس سے قبل رجیع بھی انتہائی گہرا زخم تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «فَمَا رَأَيْتُ وَجَدَ عَلَى أَحَدٍ مَا وَجَدَ عَلَيْهِمْ»[2]

"میں نے آپ ﷺ کو ان سے زیادہ کبھی کسی پر غصے میں نہیں دیکھا۔"

رسول ﷺ فرض نمازوں میں رکوع کے بعد مہینہ بھر ان قاتلین کے خلاف دعا کرتے رہے۔[3]

قارئین کرام! اس سے قبل جنگِ اُحد ہو چکی تھی، اس میں بھی ۷۰ صحابہ کرام شہید ہوئے تھے مگر جنگ میں مقابلہ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہونا دیگر شے ہے اور اس طرح دھوکے سے شہید کیا جانا دیگر شے ہے۔ اُحد کا زخم بھی کم نہیں تھا مگر اس سانحے کی نوعیت مختلف تھی، اس لیے اس کے اثرات بھی مختلف تھے۔ ایسے حالات میں بھی نبی ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قاتل قبیلے کے ۲ افراد کی دیت دی، گویا ان کے ایسے افراد کے خون کو جائز نہ سمجھا جو اس واقعے میں شریک نہیں تھے۔

پیش آمدہ سانحات میں اُصول وضوابط اور قوانین کو مدنظر رکھنا نبی اکرم ﷺ کی اعلیٰ تعلیمات میں سے ہے۔ ہمارے ہاں ایسے سانحات ہو جائیں تو ہم اصل قاتلوں کی بجائے پرانے قیدیوں کو پھانسی دینا شروع کر دیتے ہیں اور مارو یا مر جاؤ کی پالیسی اختیار کر لیتے ہیں۔ آخر اپنے ہی لوگوں کو کب تک مارا جا سکتا ہے؟ غزوۂ بدر سے پہلے کی بات ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے غیر مسلم باسیوں کو اس وقت ایک درس دیا تھا جب وہ اہل مکہ کی دھمکیوں کے نتیجے میں مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ بولنے کا ارادہ کر چکے تھے، وہ نبوی الفاظ رہتی دنیا تک انسانوں کو راہ نمائی دیتے رہیں گے۔ وہ الفاظ یہ تھے:

---

۱ دلائل النبوۃ از بیہقی: ۳/ ۴۱۲
۲ صحیح بخاری: ۳۱۷۰
۳ صحیح بخاری: ۱۰۰۱

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

«لَقَدْ بَلَغَ وَعِيْدُ قُرَيْشٍ مِّنْكُمُ الْـمَبَالِغَ، مَاكَانَتْ تَكِيْدُكُمْ بِأَكْثَرَ مِمَّا تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَكِيْدُوْ بِهِ أَنْفُسَكُمْ، تُرِيْدُوْنَ اَنْ تُقَاتِلُوْا اَبْنَاءَ كُمْ وَإِخْوَانَكُمْ»[1]

"تم نے قریش کی دھمکیوں کا بہت زیادہ اثر لے لیا ہے، ان کی دھمکیاں اور کارروائیاں تمہارا اتنا نقصان نہیں کریں گی جتنا نقصان تم (یہاں کے مسلمانوں سے) لڑ کر اپنا کر لو گے، تم اپنے ہی (مسلمان) بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ چاہتے ہو!!"

جب اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کی یہ نصیحت سنی تو سب بکھر گئے۔ اب جو بھی قوم یا ریاست کسی کے اُکسانے پر یا کسی کی دھمکیوں میں آ کر کسی وجہ سے اپنے ہی بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہے تو اسے اس نبوی نصیحت سے ضرور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ کیونکہ اغیار سے جنگ کے اثرات بیرونی زخم اور اپنوں سے لڑنے کے اثرات اندرونی زخم جیسے ہوتے ہیں اور وہ اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ملک کی ۱۰ سال سے تا حال صورت حال بنی ہوئی ہے، اس سے قبل نہ ہم شہروں میں بیرئیرز دیکھتے تھے، نہ خار دار تاریں، نہ دھماکے سنائی دیتے تھے، نہ خود کش حملے دکھائی دیتے تھے۔ غالباً یہ اسی حدیث سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں! اسلامی ریاست کی تشکیل کے ابتدائی ایام میں ایک بہت بڑا بحران سر اُٹھا رہا تھا۔ ابھی مسلمان صحیح طرح سنبھلے بھی نہ تھے۔ اگر قریش کے مذموم مقاصد میں مدینہ کے کفار بھی اُن کے ساتھ مل جاتے تو یقیناً مسلمان بہت بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ مگر آپ ﷺ کی حکمتِ عملی نے کیسے اس کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

قوم کو محض مشکلات میں ڈالنا اور ہمیشہ اسی سے قربانی کی توقع رکھنا درست نہیں۔ قوم کو بحرانوں سے نکالنے، تکالیف سے بچانے اور حتی المقدور جنگ سے دور رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایسی پالیساں تشکیل دینے والے تو چلے جاتے ہیں، خمیازہ قوم اور اس کی آئندہ نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے، اسی لیے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی:

«اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ»[2]

---

۱ سنن ابی داود: ۳۰۰۴

۲ صحیح بخاری: ۲۸۰۴

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"میری اُمت کے کسی بھی معاملے کا جو نگران بنے اور اُن کو مشقت میں ڈالے تو اے اللہ! تو بھی اس پر سختی کر اور میری اُمت میں سے کوئی شخص کسی بھی معاملے کا نگران بنے اور ان پر نرمی کرے تو اے اللہ! تو بھی اس پر نرمی فرما۔"

دیکھیے! ہمارے حکمران اور ذمہ داران نرمی اختیار کرکے نبی ﷺ کی دعا لیتے ہیں یا قوم کو مشکلات میں ڈال کر اپنی مشکلوں میں مزید اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

مدینہ منورہ کے خلاف عالم کفر کا گٹھ جوڑ

نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں اجتماعی نوعیت کی جو مشکلات آئیں، ان میں سے ایک مشکل مرحلہ وہ موقع تھا جب قریش کے کفار، غطفان کے قبائل اور مدینہ سے نکالے گئے یہود بنی قینقاع اور نضیر اور یہاں باقی رہ جانے والے یہود بنی قریظہ نے اور منافقین نے مل کر مدینہ منورہ کو اس کے مسلمان باسیوں سمیت نیست ونابود کرنے کا مذموم ارادہ کرلیا تھا۔ قرآن مجید اپنے پیرائے میں اس کی یوں منظر کشی کرتا ہے:

﴿ إِذْ جَاءُوكُمْ مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝١٠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝١١ ﴾[1]

"جب وہ تمہارے اوپر (کی طرف) سے اور تمہارے نیچے (کی طرف) سے آئے اور جب آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں اور دل باہر نکلنے کو تھے اور تم اللہ سے کئی طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقع پر ایمان والے آزمائے گئے اور بہت سخت ہلائے گئے۔"

ایسے پیچیدہ حالات میں نبی کریم ﷺ مشاورت کرکے خندق کھودنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور خندق کھودنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ شریک ہیں۔ نبی ﷺ خندق کے موقع پر خندق سے مٹی باہر نکال رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کا بطن مبارک غبار آلود نظر آرہا تھا۔ مشکل کی اس گھڑی میں آپ ﷺ بڑے ہشاش بشاش اور اُمید افزا تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مٹی منتقل کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

---

1 سورۃ الاحزاب: ۱۰، ۱۱

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

وَاللهِ لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتْ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا
إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

"اللہ کی قسم! اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے۔ اے اللہ! ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر دشمن سے ہماری مڈھ بھیڑ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ بے شک جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے جب وہ ہمیں کسی فتنے سے دوچار کرنا چاہتے ہیں تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔"

جب أَبَيْنَا کے یہ آخری الفاظ آتے تو آپ ﷺ اپنی آواز بلند فرماتے۔[1] یہ اشعار سیّدنا عبداللہ بن رواحہؓ کے تھے جنہیں آپ ﷺ اپنی فوج کا مورال بلند کرنے کے لیے پڑھ رہے تھے۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خندق میں بھوک میں مبتلا اور تھکاوٹ سے چور دیکھا تو دعا کرنے لگے:

اللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْآخِرَة فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة

"اے اللہ! جینا تو بس آخرت کا جینا ہے، لہٰذا اے اللہ! انصار و مہاجرین کو معاف فرما دے۔"

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے ان جذبات کی قدر کرتے ہوئے اشعار ہی میں جواب دے رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

"ہم وہ ہیں جنہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے اس بات کی بیعت کی ہوئی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد کرتے رہیں گے۔"

یہاں مقصود غزوۂ خندق کی تفصیلات نہیں۔ یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسے مشکل ترین حالات میں جب دشمن چاروں طرف سے گھیرا کرنے کو ہے اور اندر سے آستین کے سانپ بھی ان سے ملے ہوئے ہیں، ایسے حالات میں کیسے عزم اور حوصلے سے تمام اُمور سرانجام پا رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگ بحرانوں سے نمٹ سکتے ہیں۔ ہاں! وہ لوگ جو کسی معمولی سی مشکل آنے پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں

1 صحیح بخاری: ۴۱۰۴

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مشکلات اُنہیں شکست دے دیتی ہیں ... اور وہ اکثر ناکام ہی رہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے مشاورت بھی کی اور اس کے مطابق عمل بھی کیا۔ اپنی حد تک اسباب بھی اختیار کیے، رفقائے گرامی کو حوصلہ بھی دیا اور سب سے بڑھ کر اللہ سے دعا بھی کی۔ اس میں ہمارے لیے بہترین اُسوہ ہے۔ اسی لیے ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾[1] والی آیت بھی غزوۂ احزاب کے تناظر میں اُتری ہے۔ جب مشکلیں گھیرا کیے ہوئے ہوں، اس وقت بھی سنت اور سیرت سے رہنمائی لی جائے۔

الزام تراشی کی مشکل

تہمتوں اور الزامات کے ذریعے تکلیف پہنچانا بھی مخالفوں کی پرانی رِیت ہے۔ کبھی کسی نمایاں شخصیت پر الزام اور کبھی اس سے متعلقہ افراد پر الزام۔ رسولِ اکرم ﷺ کے حرم پر بھی الزامات لگانے سے بدنصیبوں نے دریغ نہ کیا، اور غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر مادرِ اُمت سیّدہ عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگادی گئی۔ یہ کوئی معمولی تہمت نہیں تھی بلکہ نبی کریم ﷺ کی محبوب بیوی پر بہتان طرازی تھی۔ ایک عام غیرت مند انسان بھی اسے برداشت نہیں کرتا۔ نبی کریم ﷺ تو اللہ کے بعد سب سے زیادہ غیرت والے تھے۔ یہ ایک بہت ہی نازک مرحلہ تھا۔ منافقین کے ساتھ بعض صحابہ بھی پروپیگنڈہ کا شکار ہو چکے تھے۔

نازک ترین حالات اور مشکل ترین لمحات ہیں مگر آپ ﷺ کوئی ایسا فیصلہ یا اقدام نہیں فرماتے جو نامناسب ہو۔ سیّدہ عائشہؓ پر الزام لگنے کے قریباً ایک ماہ بعد ان کی براءت سے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ ایسی صورتِ حال میں تو لمحہ لمحہ گزارنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے جو جو اقدامات کیے اور اس میں کیا کیا حکمت تھی، اس کی بابت کچھ نکات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان نکات اور اقدامات کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ ہر قسم کے بحرانوں سے نکلنے کے راستے سیرتِ طیبہ ہمیں فراہم کرتی ہے۔

---

1 سورۃ الاحزاب: ۲۱، "یقیناً رسول اللہ (کی زندگی) میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔"

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

نازک ترین صورتِ حال میں آپ ﷺ کا طرزِ عمل اور اقدامات

① معاملے میں جلد بازی نہیں کی بلکہ پورا انتظار کیا یہاں تک کہ معاملہ واضح ہو گیا۔

② اس ہنگامے کے آغاز میں نبی کریم ﷺ نے سیّدہ عائشہؓ سے اس کی بابت کوئی بات بھی نہیں کی اور اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیا۔ بس ایک معمولی سا فرق تھا جسے سیّدہ عائشہؓ جیسی زیرک خاتون ہی سمجھ سکتی ہیں۔ وہ خود کہتی ہیں کہ: پہلے جب کبھی میں بیمار ہوتی تھی تو آپ ﷺ جس لطف و کرم کا معاملہ فرماتے تھے، وہ اب کی بار دیکھنے میں نہیں آیا۔

③ ایک دن نبی کریم ﷺ تشریف لائے سلام کہا اور پوچھنے لگے: تم کیسی ہو؟ سیّدہ عائشہؓ نے میکے جانے کی اجازت طلب کی تو اس موقع پر بھی آپ نے کوئی بات نہ کی بلکہ اُنہیں جانے کی اجازت دے دی۔

④ آپ ﷺ نے اپنے قریبی احباب سے مشاورت کی، ان میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

⑤ آپ ﷺ نے خادمہ سیّدہ بریرہؓ سے بھی اس بارے میں بات کی، اور سوال کا یہ انداز اپنایا:
«هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَرِيبُكِ؟» "تم نے شک و شبہے والی کوئی بھی بات دیکھی ہے؟"
وہ کہنے لگیں: "اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے کبھی کوئی ایسا معاملہ نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ وہ نو عمر ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا جاتی ہے۔"

⑥ اس کے بعد آپ ﷺ نے مشاورت کا دائرہ وسیع کیا اور عمومی طور پر مسلمانوں سے خطاب کیا اور اس میں سیّدہ عائشہؓ کی وکالت کی۔ اس وقت آپ ﷺ منبر پر یہ ارشاد فرما رہے تھے:
«يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! مَنْ يَعْذُرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي؟ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا، وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا، وَمَا كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا مَعِي»[1]
"کون شخص اس سے مجھے انصاف دلائے گا جس کی تکلیف میرے گھر والوں کے حوالے سے

---

1 صحیح بخاری: ۴۷۵۰

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مجھے پہنچی ہے؟ اللہ کی قسم! میں تو اپنے اہل کی بابت ہمیشہ خیر ہی جانتا ہوں، اور یقیناً جس آدمی کے متعلق وہ باتیں کر رہے ہیں، میں نے اس میں بھی ہمیشہ خیر ہی دیکھی ہے۔ وہ تو میرے گھر میں صرف میرے ساتھ ہی آیا ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی اس بات پر صحابہ ؓ نے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

⑦ ایک ماہ بعد آپ ﷺ اپنے سسرال یعنی سیّدنا ابو بکر ؓ کے ہاں گئے۔ آپ ﷺ فرمانے لگے:

«يَا عَائِشَةُ فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِيْ عَنْكِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيْئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللهُ، وَإِنْ كُنْتِ أَلْـمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ»

''عائشہ ؓ! مجھے تمہارے بارے میں یہ یہ بات سننے کو ملی ہے۔ اگر تو تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں تو اللہ ضرور تمہیں بری قرار دے دے گا اور اگر تم سے ایسا کچھ گناہ ہو گیا ہے تو اللہ سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو۔''

⑧ اس کے بعد آپ ﷺ نے سیّدہ عائشہ ؓ کے موقف کو بغور سنا۔ اُنہیں ٹوکا نہیں بلکہ انہیں پورے اظہار کا موقع دیا۔ اس موقع پر پہلے تو عائشہ ؓ نے اپنے والد محترم سیّدنا ابو بکر ؓ سے عرض کیا: اللہ کے رسول کو جواب دیجئے! وہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا بات کروں؟ پھر عائشہ ؓ نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔ اُنہوں نے بھی یہی بات کی کہ میں آپ ﷺ کو کیا جواب دوں؟

پھر عائشہ صدیقہ ؓ کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! یقیناً آپ سب نے یہ ایک بات سنی اور وہ آپ کے ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے اور آپ نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ تو اب اگر میں کہتی ہوں کہ میرا اس بات سے کوئی تعلق نہیں اور اللہ جانتا ہے کہ اس معاملے میں بالکل صاف ہوں، تو آپ میری تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں آپ کے سامنے کسی بات کا اعتراف کروں، اور اللہ جانتا ہے کہ میں بالکل بری ہوں، تو آپ میری تصدیق کریں گے۔ اللہ کی قسم! میرے سامنے تو بس ابو یوسف (سیّدنا یعقوب علیہ السلام) کی مثال ہے: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾﴾

''بس صبر جمیل ہی ہے اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔''

نبی ﷺ یہ سب کچھ سن رہے تھے مگر آپ وحی کے انتظار میں تھے، بالآخر وحی کا نزول ہو ہی گیا۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

⑨ جب وحی کا نزول ہو چکا تو نبی کریم ﷺ مسکرا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر پہلی پہلی بات جو کی، وہ یہ تھی: «يَا عَائِشَةُ! أَمَّا اللهُ فَقَدْ بَرَّأَكِ»[1]

"عائشہؓ! اللہ نے تو تمہیں بری قرار دے دیا ہے۔"

سیّدہ عائشہؓ کی براءت کے متعلقہ آیات اُتریں تو آپ ﷺ نے بغیر کسی توقف کے بریکنگ نیوز (اہم ترین خبر) کے طور پر فی الفور یہ خبر اُنہیں سنائی، اور خبر سنانے میں الفاظ کا چناؤ ایسا تھا جیسے آپ خود شدید انتظار میں تھے۔

⑩ اس کے بعد تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی۔

نبی کریم ﷺ کے حرم اور آپ کے ہم دمِ دیرینہ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی پر تہمت ایک انفرادی نوعیت کا معاملہ نہ تھا۔ یہ ایک بہت سنگین صورت حال تھی جس کی زد نبی کریم ﷺ پر پڑ رہی تھی، بلکہ ہر ایک مسلمان پر اس کے اثرات پڑ رہے تھے۔ خود عائشہؓ کو اس کا علم اس وقت ہوا جب وہ سیّدہ اُمّ مسطحؓ کے ساتھ چل رہی تھیں، اُنہیں ٹھوکر لگی تو وہ کہنے لگیں: مسطح ہلاک ہو! دوبارہ ایسا ہوا تو اُمّ مسطحؓ نے یہی بات دہرائی۔ سیّدہ عائشہؓ نے ان الفاظ کے بار بار زبان پر آنے کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے اس ہنگامے کی خبر دی۔

جب نبی کریم ﷺ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کے میکے آئے تو اس وقت ایک انصاری خاتون بھی آئی ہوئی تھیں اور وہ بھی اس صورتِ حال میں زار و قطار رو رہی تھیں۔ قرآن بھی اس صورت حال میں کہہ اٹھا:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾[2]

"اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم جس کام میں مشغول ہو گئے تھے، تمہیں ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔"

غرض! یہ کوئی معمولی یا انفرادی نوعیت کا معاملہ نہ تھا، اس نے تو مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اتنے نازک ترین حالات سے گزرتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ نے کسی جلد بازی سے کام نہ لیا، نہ جھوٹا الزام

---

1 صحیح بخاری: ۴۱۴۱

2 سورۃ النور: ۱۴

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

لگانے والوں کو اُن کا جھوٹ ثابت ہونے سے پہلے سزا دی اور نہ امّ المومنین ؓ کو ڈانٹ ڈپٹ یا سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ نہ جدائی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایسے کسی الزام کو برداشت کرنا خصوصاً جب پروپیگنڈہ زور پکڑ رہا ہو اور کسی بڑے اقدام سے گریزاں رہنا کوئی آسان نہیں۔ مگر ایسے حالات میں انتہائی دانش مندی سے حکمت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے گزر جانا بھی آپ ﷺ ہی کا کمال اُسوہ ہے۔

اب جس کسی کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آئے تو اسے جلد بازی سے نہیں بلکہ شرعی تقاضوں کو پورا کر کے ایسا کوئی قدم اُٹھانا چاہیے۔ ہمارے ہاں آئے دن بد چلنی کے شبہے میں قتل جیسے واقعات اور قتل غیرت جیسے سانحات پیش آتے رہتے ہیں، ان میں یہ واقعۂ افک ہمیں روشنی فراہم کرتا ہے۔

واقعہ افک اور چند اہم نکات

⑪ یہ واقعہ قیامت تک پاک باز خواتین کی عظمت و حرمت کا دفاع کرتا رہے گا۔

⑫ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ایسی نوعیت کی یہ ایک عجیب مشکل پیش آئی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشکل ڈالنے والا اور پھر اس مشکل سے نکالنے والا کوئی اور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

⑬ امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ کی عظمت اور پاک بازی پر قرآن کا نزول ہوا۔ اب جو شخص اس میں شک کرے، وہ قرآن مجید کی آیات کا انکاری ہو گا۔

⑭ لادین عناصر ایسے حربوں سے بھی دین کی دعوت کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

⑮ سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے محترم والدین کریمین سیّدنا ابو بکر صدیق ؓ اور سیّدہ اُم رومان ؓ کے ہاں نبی کریم ﷺ کا کیسا بلند مقام تھا کہ اپنی راج دلاری بیٹی کی محبت میں آ کر اُنہوں نے ایک حرف بھی ایسا نہ بولا جس سے چہرۂ نبوت پر شکن پڑیں بلکہ سیّدہ عائشہ ؓ کے کہنے پر دونوں نے ایک ہی بات کہی کہ ہمارے پاس تو ایسی کوئی بات ہی نہیں کہ ہم آپ ﷺ سے کر سکیں۔

⑯ جو لوگ الزام کا نشانہ بنتے ہیں، انہیں اللہ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ اللہ ایسی مشکلات سے انہیں نکالنے پر قادر ہے۔

⑰ نبی کریم ﷺ غیب کے محض ان اُمور سے آگاہ تھے جن سے بذریعہ وحی آپ کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ اس موقع پر وحی کے نزول کی اشد ضرورت تھی مگر آپ ﷺ کو مہینہ بھر ایسی سنگین صورتِ

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

حال میں انتظار کرنا پڑا۔ اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں کہ ایک تو یہ کہ وحی اللہ کی طرف سے آتی تھی اور دوسرا یہ کہ جب اللہ چاہتا تھا آتی تھی، آپ ﷺ کے اپنے اختیار میں نہیں تھی۔

⑱ ایسے مواقع پر چھپی عداوت رکھنے والوں کا پتہ چل جاتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن اُبی۔

⑲ انسان بہر حال پروپیگنڈے سے متاثر ہو جاتا ہے جیسا کہ کئی ایک جلیل القدر صحابہ بھی اس کا شکار ہو گئے اور بعد میں انہیں اس پر ندامت ہوئی۔

⑳ یہ ایک آزمائش تھی جس میں اکثر مؤمن تو سرخرو ہوئے مگر کئی ایک کامیاب نہ ٹھہرے۔

مشکلات اور بحرانوں کی مختلف نوعیتیں

گزشتہ صفحات میں بحرانوں اور مشکلات کی مختلف نوعیتیں بیان کی گئی ہیں۔ عمومی طور پر اسی قسم کے بحران افراد اور قوموں کی زندگی میں آتے رہتے ہیں:

① کبھی فرد یا معاشرے کے ساتھ ناانصافی کا بحران آتا ہے۔

② کبھی کسی بات پر لڑائی جھگڑا ایک سنگین صورتِ حال اختیار کر جاتا ہے، اور اس کے اثرات معاشرے میں سرایت کر جاتے ہیں۔

③ کبھی مالی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اور اقتصادی طور پر فرد یا معاشرہ بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔

④ کبھی دشمنی کی بنیاد پر انتقام کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اور کبھی چھپی دشمنی سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔

⑤ کبھی الزام تراشیوں اور پروپیگنڈوں سے مذموم مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اگر ہم جائزہ لیں تو ہماری کوئی بھی انفرادی یا اجتماعی مشکل مذکورہ نوعیتوں سے مختلف نہیں ہوتی، اور ایسی سب مشکلات اور بحرانوں کا حل بتا دیا گیا ہے، اور یہ اللہ کی حکمت اور کامل علم ہی کا نتیجہ ہے کہ جیسے جیسے حالات پیش آسکتے تھے، ان کے متعلق پہلے ہی راہ نمائی فرما دی گئی۔

مذکورہ نوعیت کی مشکلات میں جو قومیں سیرت کی روشنی میں حل تلاش نہیں کرتیں اور ان کی مجلسیں آنسوؤں، احتجاجوں، ریلیوں، دھرنوں، بینروں اور پریس کانفرنسوں تک محدود رہتی ہیں وہ قومیں بڑی عمر نہیں پا سکتیں۔ ان کا ہر نیا سال اُنہیں بڑھاپے کی طرف ہانک رہا ہوتا ہے اور وہ جلد ہی صفحۂ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے اوراق میں گم ہو جاتی ہیں۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر[1]

جواب آں غزل در 'اسلام اور ریاست؛ ایک جوابی بیانیہ'

روزنامہ جنگ ۲۲ جنوری، ۲۰۱۵ء کے ادارتی صفحات پر ٹی وی اسکالر جناب جاوید احمد غامدی کا ایک کالم 'اسلام اور ریاست: ایک جوابی بیانیہ' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کالم کے جواب میں اصحابِ علم وفضل کی بہت سی تحریریں روزنامہ جنگ اور دیگر اخبارات کے صفحات پر شائع ہوئیں۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی روزنامہ جنگ میں اُن کے مضمون کے مرکزی خیال کا خوب ناقدانہ جائزہ پیش کیا ہے۔ اُن کے جائزے کو آگے بڑھاتے ہوئے زیر نظر تحریر میں ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہم جناب غامدی کے مجموعی فکر کے تناظر میں ان کے کالم کے مختلف حصّوں کو سامنے رکھ کر ایک تجزیہ پیش کریں اور اُن کے موقف کی دیگر اُلجھنوں کو بھی واضح کریں:

① محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> "اس وقت جو صورتِ حال بعض انتہا پسند تنظیموں نے اپنے اقدامات سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے پوری دنیا میں پیدا کر دی ہے، یہ اُسی فکر کا نتیجہ ہے جو ہمارے مذہبی مدرسوں میں پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، اور جس کی تبلیغ اسلامی تحریکیں اور مذہبی سیاسی جماعتیں شب وروز کرتی ہیں۔"

ہمیں اور نہ ہی اہل مدرسہ کو انتہا پسند تنظیموں کے اَفکار واعمال سے اتفاق ہے جبکہ غامدی صاحب کا یہ بیان مدارسِ دینیہ، اسلامی تحریکوں اور مذہبی سیاسی جماعتوں پر ایک الزام کے سوا کچھ نہیں ہے۔ خود غامدی صاحب جو مدرسہ کے نظام ونصاب سے نہیں گزرے، وہ یہ کیسے طے کر سکتے ہیں کہ مدارسِ اسلامیہ میں وہ سب کچھ پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جو تحریکِ طالبان پاکستان یا القاعدہ کے افکار ونظریات ہیں۔ غامدی صاحب کا یہ دعویٰ اسی طرح کا ہے جو مدرسے کا ایک فارغ التحصیل پاکستانی یونیورسٹیوں

۱ اسسٹنٹ پروفیسر، کامساٹس انسٹیٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور
ای میل: mzubair@ciitlahore.edu.pk، فیس بک: Hm Zubair

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کے بارے یہ کہہ کر کرے کہ یہاں تو الحاد پڑھایا جاتا ہے۔ اگر مدارسِ دینیہ اور اسلامی تحریکوں میں یہ سب کچھ پڑھایا جاتا ہوتا تو یہ عملی انتہاپسندی آپ کو ایّوب، بھٹو اور ضیاء الحق کے اَدوار میں بھی نظر آتی۔ پاکستان میں انتہاپسند عناصر ان تحریکوں کی کوکھ سے برآمد ہوئے جنہیں امریکہ نے پاکستانی آمروں کے تعاون سے روس کے خلاف کھڑا کیا۔ پس عملی انتہاپسندی کے مسئلے کا حل دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی یا اسلامی تحریکوں کے افکار پر پابندی سے کسی صورت حاصل نہ ہو گا کیونکہ یہ اس کی اصل وجہ ہے ہی نہیں۔ اگر ہم ملک پاکستان کو انتہاپسند عناصر کے چنگل سے نکالنے میں سنجیدہ ہیں تو ہمیں وہ وجوہات ختم کرنا ہوں گی جو امر واقعی میں انتہاپسندوں کے کارخانے قائم کیے چلی جارہی ہیں۔ اور انتہاپسند عناصر کے کارخانے لگنے کی وجوہات میں سب سے اہم وجہ ۱۹۸۰ء سے جنوبی ایشیا میں امریکی پالیسی اور فورسز کی اپنے مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لیے موجودگی اور ہمارا بحیثیتِ قوم اُنہیں خوش آمدید کہنا اور اُن کے ہاتھوں کبھی جہاد اور کبھی امن کے نام پر استعمال ہونا ہے۔

④ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> ”اس کے بالمقابل اسلام کا صحیح فکر کیا ہے؟ یہ درحقیقت ایک جوابی بیانیہ ہے اور ہم نے بارہا کہا ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے میں مذہب کی بنیاد پر فساد پیدا کر دیا جائے تو سیکولرازم کی تبلیغ نہیں، بلکہ مذہبی فکر کا ایک جوابی بیانیہ ہی صورتِ حال کی اصلاح کر سکتا ہے۔“

یہ بات تو درست ہے کہ جب معاشرے میں اسلام کے نام پر فساد پیدا کر دیا جائے تو اس کا جواب 'سیکولرازم کی تبلیغ' نہیں ہے بلکہ فساد برپا کرنے والی مذہبی فکر کا جوابی بیانیہ تیار کرنا ہے۔ پس کسی معاشرے کے لیے یہ صحت مند رویہ نہیں ہے کہ انتہاپسندوں کے فکر یا ان کی کاروائیوں کے ردِّ عمل میں دین اسلام ہی سے اس لیے بیزار ہو جائے کہ وہ اس قسم کی فکر یا کاروائیوں کے لیے اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں بلکہ صحیح رویہ ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ یہ اسلامی فکر اور دینی عمل نہیں ہے، اور علمی بنیادوں پر اسلامی موقف کی وضاحت و تبلیغ کی جائے۔ دیگر اصحابِ علم و فضل کا کہنا یہ ہے، کہ امر ضرور محل نظر ہے کہ جناب غامدی صاحب نے جو 'جوابی بیانیہ' تیار کیا ہے، اُسے بھی 'سیکولرازم کی تبلیغ' میں ہی رکھا جائے یا وہ امر واقعی میں اس سے ہٹ کر ایک 'جوابی بیانیہ' ہے۔ اس بات میں کافی وزن ہے کہ غامدی صاحب سیکولرازم کی ظاہری مخالفت کر کے اور عملاً ریاست کا مذہب سے کوئی سروکار نہ رکھنے کا کہہ کر دراصل سیکولرازم کی ہی تلقین کر رہے ہیں، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

③ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"لہٰذا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ ریاست کا بھی کوئی مذہب ہوتا ہے اور اس کو بھی کسی قرارداد مقاصد کے ذریعے سے مسلمان کرنے اور آئینی طور پر اس کا پابند بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔"

غامدی صاحب کی یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ بات ریاست کی تعریف ہی کے خلاف ہے۔ ریاست کے ارکان(Pillars) میں علاقہ(Territory) ، آبادی(Population) ، حکومت (Government)کے علاوہ اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) بھی شامل ہے جبکہ حکومت کے ارکان میں پارلیمنٹ، عدلیہ اور انتظامیہ شامل ہے اور اب بعض ماہرین سیاسات میڈیا کو بھی اس کا ایک رکن قرار دیتے ہیں۔ پس علم سیاسیات(Political science)میں ریاست کا کوئی ایسا تصور موجود نہیں ہے کہ جس میں اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) کو اس سے علیحدہ کیا جا سکے۔ مانا کہ ریاست اور حکومت میں فرق ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا لیکن اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) کو طے کیے بغیر کوئی ریاست، ریاست کہلانے کی مستحق بھی نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کی ایک ریاست میں یہ مقتدرِ اعلیٰ (Sovereign) اور مختارِ اعلیٰ (Supreme Authority) کتاب وسنت کے علاوہ کسے بنایا جا سکتا ہے؟[1]

④ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"جن ملکوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہ اپنی ایک ریاست ہائے متحدہ قائم کر لیں۔ یہ ہم میں سے ہر شخص کا خواب ہو سکتا ہے اور ہم اس کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی جدوجہد بھی کر سکتے ہیں، لیکن اس خیال کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ یہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم ہے جس کی خلاف ورزی سے مسلمان گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔"

---

1 فاضل مقالہ نگار نے ریاست کی تعریف کرتے ہوئے اس کے بنیادی ارکان میں علاقہ، آبادی اور نظامِ حکومت کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ جدید مغربی ریاست کے لازمی ارکان ہیں جبکہ اسلامی نظریاتی تصورِ ریاست میں ایک نظام اتباع یا اقتدارِ اعلیٰ ریاست کا اوّلین تقاضا ہے، سو نبی کریم ﷺ کی یہ ریاست چند پیروکاروں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں بھی قائم تھی، اور اسلامی ریاست کا وجود مدینہ منورہ سے قبل مکہ مکرمہ میں بھی تھا۔ اس میں اہم ترین عنصر نظام اتباع ہی ہے، جو ظاہر ہے کہ اللہ کا قرآن اور نبی کا فرمان ہی تھا۔ اس سلسلے میں وکی پیڈیا میں Nor Fadzlina Nawi کا مقالہ Islamic State اور ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب رسول ﷺ کی حکمرانی وجانشینی: ص ۱۵ وما بعد کا مطالعہ مفید ہو گا۔ رحم

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

غامدی صاحب کی یہ بات درست نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے: «إِذَا بُوِيعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا» کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔ ہم یہ وضاحت کرتے چلیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا دوسرے خلیفہ کو قتل کرنے کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ پوری دنیا میں مسلمانوں کا خلیفہ ایک ہی ہو جیسا کہ شروعِ اسلام میں مسلمانوں کی ایک ہی اجتماعیت تھی۔ اب جبکہ مسلمان چھوٹی چھوٹی پچاس سے زائد ریاستوں میں تقسیم ہو چکے تو اس حدیث کے مقصد پر عمل کی طرف اُمت کو راغب کیا جائے گا اور وہ مقصد ہے مسلمانوں کی عالمی اجتماعیت کا قیام۔ پس موجودہ اسلامی ریاستوں کو ایک 'اسلامی ریاست ہائے متحدہ' کے قیام کی طرف پیش رفت کرنی چاہیے، یہ ایک دینی حکم ہے۔ اگر یہ دینی حکم نہ ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ مسلمانوں کی اجتماعیت کو تقسیم کرنے پر قتل کا حکم جاری کیوں فرماتے؟ اسی طرح اگر 'ریاست ہائے متحدہ امریکہ' کا وجود میں آنا ان ریاستوں کے لیے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مفید ہو سکتا ہے تو 'اسلامی ریاست ہائے متحدہ' کے مسلم اُمت کے لیے ان کے اجتماعی پہلوؤں سے مفید ہونے میں کیا بحث ہو سکتی ہے؟ اور کیا ہمارا دین جو ایک فرد کے ذاتی اور جزوی فائدے کا بھی لحاظ کرتے ہوئے احکام جاری کرتا ہے، اس دین میں اس چیز کا حکم ہی نہ ہو گا کہ جس میں پوری اُمت کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مفادات موجود ہوں۔ اگر ایسا ہے تو یہ تعبیر بہت ہی قابلِ تعجب ہے۔[1]

⑤ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"پہلی صدی ہجری کے بعد ہی، جب مسلمانوں کے جلیل القدر فقہا، اُن کے درمیان موجود تھے، ان کی دو سلطنتیں، دولتِ عباسیہ بغداد اور دولتِ اُمویہ اندلس کے نام پر قائم ہو چکی تھیں اور کئی صدیوں تک قائم رہیں، مگر ان میں سے کسی نے اسے اسلامی شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی قرار نہیں دیا۔"

اس بارے ہمارا کہنا یہ ہے کہ ایک ہے امر واقعی اور ایک امر شرعی۔ امر شرعی تو یہی ہے کہ مسلمانوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے اس حال میں چھوڑا کہ اُنہیں اپنے بعد ایک ہی خلیفہ مقرر کرنے

1 نبی کریم ﷺ نے اُمتِ اسلامیہ کو ایک جسدِ واحد اور مضبوط عمارت قرار دیا ہے اور اُنہیں اسی کی تلقین کی ہے، نیز خلافتِ راشدہ نے رہتی دنیا تک ملتِ اسلامیہ کے لیے اسی کی عملی اور قابل اتباع مثال پیش کی تھی۔ ح م

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

اور صرف اسی کی بیعت کرنے کا حکم جاری کیا، جیسا کہ اوپر روایت گزر چکی۔ امر واقعی یہ ہے کہ مسلمان اُمت تفرقے میں پڑ کر تقسیم ہو گئی۔ عراق میں بنو عباس، مصر میں فاطمی اور اندلس میں اُموی حکومت قائم ہوئی۔ فقہا نے اس تقسیم کے قائم ہو جانے کے بعد اُمت کے لیے اپنے علاقوں کے مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کو ترجیح دی لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا کہ وہ اُمت کے بٹ جانے کو شرعی بھی سمجھتے تھے۔ فقہا کیسے اس تقسیم پر راضی ہو سکتے تھے جبکہ وہ جانتے تھے کہ یہ مسلمانوں میں باہمی جنگ وجدال اور قتل وغارت گری کی بنیاد ہے۔ اور بنو عباس اور بنو اُمیہ، عباسی اور فاطمی دشمنی اور قتل وغارت گری کی داستانیں کس پر واضح نہیں ہیں؟ اور مسلمانوں کی اسی باہمی قتل وغارت گری کے نتیجے میں ہی تو بنو اُمیہ کی حکومت قائم ہوئی ہے اور دیگر حکومتیں بھی اسی طرح سے قائم ہوئی ہیں۔ کیا یہ کہنا کوئی مناسب بات ہو گی کہ اسلام باہمی قتل وغارت گری کے ذریعے مسلم اُمت کی تقسیم کو جائز قرار دیتا ہے۔ اگر نہیں تو پھر غامدی صاحب کو تاریخ کے صفحات سے یہ واضح کرنا چاہیے تھا کہ بنو عباس اور بنو امیہ اور اس کے بعد بھی مسلمانوں کی یہ تقسیم کسی باہمی صلح وصفائی کا نتیجہ تھی۔

اندلسی فقیہ اور مجتہد امام ابن حزم رحمہ اللہ اپنی کتاب 'مراتب الاجماع' میں لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقُوا أنه لَا يجوز أَن يكون على الْمُسلمين فِي وَقت وَاحِد فِي جَمِيع الدُّنْيَا إمامان لَا متفقان وَلَا مفترقان وَلَا فِي مكانين وَلَا فِي مَكَان وَاحِد

"اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ جائز نہیں کہ مسلمانوں کے ایک ہی وقت میں پوری دنیا میں دو خلیفہ ہوں، چاہے وہ آپس میں متفق ہوں، چاہے اختلاف کرنے والے ہوں، چاہے دو مختلف علاقوں میں ہوں، چاہے ایک ہی علاقہ میں ہوں۔"

اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'السنن الکبری' میں باقاعدہ باب لایصلح إمامان في عصر واحد (ایک ہی وقت میں دو مسلمان خلفا کا ہونا جائز نہیں ہے) کے نام سے باب باندھ کر اس کے ذیل میں متعدد احادیث نقل کرتے ہیں۔

⑥ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"نہ خلافت کوئی دینی اصطلاح ہے اور نہ عالمی سطح پر اس کا قیام اسلام کا کوئی حکم ہے۔"

خلیفہ سے مراد "وہ مسلمان حکمران ہے جو اللہ کے بندوں کے مابین اللہ کے نازل کردہ احکامات کے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مطابق فیصلے کرے۔" اللہ عزوجل سورۃ ص [آیت ۲۶] میں فرماتے ہیں: ﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ "اے داود علیہ السلام! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے مابین حق کے ساتھ فیصلے کریں۔ اور ان کی آرا و خواہشات کی پیروی مت کریں، یہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔"

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مسند احمد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

فَقَالَ حُذَيْفَةُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًا، فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ» ثُمَّ سَكَتَ (رقم ۱۸۴۰۶)

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے درمیان نبوت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک اللہ عزوجل چاہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے، نبوت کو اُٹھا لیں گے۔ پھر نبوت کے منہاج پر خلافت قائم ہو گی، پس یہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ جب تک اللہ چاہیں گے، قائم رہے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے، اس خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو اُٹھا لیں گے۔ پھر کاٹ کھانے والی ملوکیت آئے گی اور یہ ملوکیت جب تک اللہ عزوجل چاہیں گے، باقی رہے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے، اس کاٹ کھانے والی ملوکیت کو بھی اُٹھا لیں گے۔ پھر جبری ملوکیت قائم ہو گی اور اللہ عزوجل جب تک چاہیں گے، یہ جبری ملوکیت قائم رہے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے، اس جبری ملوکیت کو اُٹھا لیں گے۔ اس کے بعد ایک بار پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔"

البتہ اس میں اختلاف ممکن ہے کہ کاٹ کھانے والی اور جبری ملوکیت کے اَدوار کون سے ہیں؟ اور ان اَدوار کے بعد قائم ہونے والی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور کون سا ہے؟ لیکن اس میں کوئی شک وشبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ایک ایسا عادلانہ سیاسی نظام ہے کہ جو اللہ کے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

رسول ﷺ اس اُمت کو دے کر گئے اور ظلم وجور کے نظام کے بعد ایک بار پھر اس کے آنے کی خوشخبری دے کر گئے۔

⑦ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ بات سب نے کہی اور ہم بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا نظم اجتماعی اگر کسی جگہ قائم ہو جائے تو اس سے خروج ایک بدترین جرم ہے۔"

اہل السنۃ والجماعۃ کی عقیدے کی کتب میں یہی لکھا ہوا ہے اور یہی ائمہ وفقہاے دین کی رائے ہے کہ مسلمانوں کے نظم اجتماعی[1] کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'العقیدۃ الطحاویۃ' میں فرماتے ہیں:

ولا نرى الخروج على أئمتنا وولاة أمورنا وإن جاروا، ولا ندعوا عليهم، ولا ننزع يدًا من طاعتهم، ونرٰى طاعتهم من طاعة الله عز وجل فريضة، ما لم يأمروا بمعصية، وندعوا لهم بالصلاح والمعافاة.

"اور ہم اپنے حکمرانوں اور اُمرا کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے، چاہے وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔ اور نہ ہم ان کے خلاف بددعا کرنے کے قائل ہیں۔ اور نہ ہی ہم ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں، اور ہم ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی طرح فرض سمجھتے ہیں جب تک کہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں۔ اور ہم ان کے لیے اصلاح اور معافی کی دعا کرتے رہتے ہیں۔"

⑧ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"اسلام میں قومیت کی بنیاد اسلام نہیں ہے، جس طرح کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں کسی جگہ یہ نہیں کہا گیا کہ مسلمان ایک قوم ہیں یا اُنہیں ایک قوم ہونا چاہیے، بلکہ یہ کہا گیا کہ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں]۔ قرآن کی رو سے مسلمانوں کا باہمی رشتہ قومیت کا نہیں، بلکہ اخوت کا ہے۔ وہ دسیوں اقوام، ممالک اور

---

[1] نظم اجتماعی کی اطاعت ضرور ہونی چاہیے، لیکن اس نظم اجتماعی کو اسلام کی بنیاد پر قائم ہونا چاہیے اور خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں جیسا کہ پہلے خلیفہ راشد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشہور اوّلین خطبہ ہے کہ "إنما أنا مُتبع، ولست بمبتدع، فإن أنا أحسنتُ فأعينوني، وإن زغت فقوموني" "میں کتاب وسنت کا پیروکار ہوں، نئی چیزیں لانے والا نہیں، اگر میں صحیح چلوں تو میری مدد کرنا، اگر گمراہ ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔" (موطا مالک: ۶۳۱)

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ریاستوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ایمان کے رشتے سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس لئے یہ تقاضا تو ان سے کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں کے حالات کی خبر رکھیں، ان کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں ان کے کام آئیں، وہ مظلوم ہوں تو ان کی مدد کریں، معاشی اور معاشرتی روابط کے لیے ان کو ترجیح دیں اور ان پر اپنے دروازے کسی حال میں بند نہ کریں، مگر یہ تقاضا نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی قومی ریاستوں اور قومی شناخت سے دست بردار ہو کر لازماً ایک ہی قوم اور ایک ریاست بن جائیں۔"

یہ بات تو درست کہ مسلمانوں کو قرآن وحدیث میں کہیں بھی ایک قوم نہیں کہا گیا اور مسلمان ایمان کے رشتے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ نیز 'قومیں مذہب کی بنیاد پر نہیں بنتی'، یہ بات بھی درست ہے۔ قرآن مجید میں ہر نبی نے اپنے مخاطبین کو یا قوم کے خطاب سے اپنی قوم قرار دیا حالانکہ مخاطبین نبی کے دین پر نہیں تھے۔ اسی طرح قرآنِ مجید نے مشرکین مکہ کو اللہ کے نبی ﷺ کی قوم قرار دیا ہے۔ پس یہاں تک بات درست ہے کہ قومیں جغرافیائی حدود کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں۔ لیکن یہ ایسا کلمہ حق ہے جس کی مراد و مدعا سراسر باطل ہے کیونکہ اسلام میں قومیت کی بجائے 'اُمت' اور 'ملت' کا تصور ہے۔ اسلام پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک قوم نہیں بلکہ ایک 'امت' اور 'ملت' قرار دیتا ہے جیسا کہ پوری دنیا کے کافر ایک 'امت' یا 'ملت' ہیں، چاہے ان کی قومیں مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ[۱۴۳] میں ارشاد ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ "اور ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر شہادت قائم کرو۔" ایک اور جگہ سورۃ آل عمران[۱۱۰] میں مسلمانوں کو 'خیر اُمت' کہا گیا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔ اسی طرح قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اپنی کتاب 'الآثار' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: «اَلْكُفْرُ كُلُّهُمْ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ» "عالم کفر سب کا سب ایک ہی ملت ہے۔" پس ایمان کے رشتے کی بنیاد پر مسلمانوں میں 'اخوت' بھی قائم ہوئی اور 'اُمت وملت' بھی۔ 'اسلامی اخوت' کی اصطلاح میں مسلمانوں کی باہمی معاشرتی ضروریات کو پورا کرنے کا تصور ہے جبکہ 'امت مسلمہ' یا 'ملتِ اسلامیہ' کی اصطلاح میں 'سیاستِ شرعیہ' کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

⑨ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں، اپنے مسلمان ہونے کا اقرار، بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، ان کے عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے، اسے ضلالت اور گمراہی کہا جا سکتا ہے لیکن اس کے حاملین چونکہ قرآن وحدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے اُنہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

یہ مسئلہ بہت اہم ہے کہ جس پر غامدی صاحب نے کلام کیا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہمارے ہاں ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کی مشق نے اُمت کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول چودہ صدیوں میں ہم نے اتنے مسلمان نہیں بنائے جتنے ایک صدی میں فتووں سے کافر بنا دیے ہیں۔ لیکن تکفیر کے اس فتنے کا حل یہ نہیں ہے کہ یہ بیانیہ تیار کیا جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بعد کسی کو کافر قرار ہی نہیں دیا جا سکتا، چاہے وہ قرآن مجید سے اپنے مذہبی پیشوا کی نبوت ثابت کر لے، یا چاہے اُلوہیت، چاہے وہ کتابِ الٰہی سے ہمہ اوست ثابت کر دکھائے، چاہے ضروریات دین اور ارکان اسلام کا ہی انکار کر دے۔ اس فتنے کا صحیح حل یہی ہے کہ عام مفتیوں اور علما کو قانوناً اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ تکفیر کے بارے کوئی فتویٰ جاری نہ کر سکیں۔ اور اسلامی نظریاتی کونسل کی طرح کا کوئی ایسا مضبوط و مستند ادارہ ہو کہ جس میں ملک بھر سے مختلف مکاتبِ فکر کے جید علما کی حقیقی نمائندگی ہو، اور جب تک کسی متعین شخص یا گروہ یا جماعت کی تکفیر پر ان نمائندہ علما کا اتفاق نہ ہو، اور یہ اہل علم ملک کی اعلیٰ عدالت مثلاً سپریم کورٹ کے شریعہ بنچ میں مخالف فریق پر اس کی غلطی واضح نہ کر دیں اور اس بارے اعلیٰ عدالت کا کوئی فیصلہ جاری نہ ہو جائے، اس وقت تک کسی کلمہ گو کی تکفیر قانوناً جرم قرار دی جائے۔ البتہ کسی کے کفر کو کفر اور شرک کو شرک قرار دینا، تو اس کی اجازت ہر صاحبِ علم کے لیے ہونی چاہیے جیسا کہ غامدی صاحب بھی اس بات سے متفق ہیں۔

⑩ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"علما کا حق ہے کہ ان کی غلطی اُن پر واضح کریں، اُنہیں صحیح بات کے قبول کرنے کی دعوت دیں، ان کے عقائد و نظریات میں کوئی چیز شرک ہے تو اسے شرک اور کفر کہیں اور لوگوں کو بھی اس پر متنبہ کریں، مگر ان کے متعلق یہ فیصلہ کہ وہ مسلمان نہیں رہے یا اُنہیں مسلمانوں

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کی جماعت سے الگ کر دینا چاہیے، اس کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حق خدا ہی دے سکتا تھا اور قرآن وحدیث سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے یہ حق کسی کو نہیں دیا ہے۔"

یہاں اصل میں دو چیزیں خلط ملط ہو رہی ہیں۔ ایک ہے، اہل علم کا کسی کے بارے فتویٰ جاری کرنا کہ وہ دین اسلام سے خارج ہو گیا ہے اور ایک ہے، کسی شخص کا اللہ کے ہاں کافر قرار پانا۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اگر اہل علم کی ایک جماعت کسی شخص کو دنیا میں کافر قرار دے گی تو ضروری نہیں ہے کہ وہ عند اللہ بھی کافر ہو کیونکہ یہ اہل علم کا اجتہاد ہے اور اجتہاد میں خطا کا پہلو بھی ہو سکتا ہے، اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی اجتہاد میں خطا کا پہلو کم ہو جاتا ہے۔ پس اہل علم اگر کسی پر فتوی لگائیں گے تو وہ دنیا کے اعتبار سے ہو گا۔ اہل علم تو ظواہر پر ہی حکم لگاتے ہیں، اور سرائر کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور دنیا میں یہ فتویٰ 'سد الذرائع' کے اصول کے تحت لگایا جائے گا تاکہ دین کی حفاظت ہو۔ اور فتوی کا لفظ بھی 'فتوۃ' سے ہے کہ جس کے معنی 'نوجوانی' کے ہیں۔ پس جب کسی معاشرے میں عقیدے اور عمل کے رستے ایسا بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جس سے معاشرہ روحانی اور دینی طور پر اضمحلال کا شکار ہو جائے تو اس وقت 'فتویٰ' کے ذریعے اسے دوبارہ قوت مہیا کی جاتی ہے۔ لیکن یہ بات درست ہے کہ فتویٰ کا ہمارے معاشروں میں غلط استعمال بڑھتا جا رہا ہے جسے روکنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن کسی شے کے غلط استعمال کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ نفس امر میں بھی وہ شے غلط ہے۔

⑪ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"شرک، کفر اور ارتداد یقیناً سنگین جرائم ہیں، لیکن ان کی سزا کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو نہیں دے سکتا، یہ خدا کا حق ہے۔"

شرک اور کفر کی حد تک تو بات درست ہے کہ اس کی سزا آخرت میں ہی ملے گی جیسا کہ سورۃ البقرۃ[۲۵۶] میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ "دین میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے۔" پس کسی شخص کو مسلمان بننے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن 'ارتداد' ایک علیحدہ اصطلاح ہے۔ 'ارتداد' سے مراد کسی مسلمان کا دین اسلام سے پھر جانا ہے۔ دین اسلام، ارتداد کو اسلام سے ایک بغاوت قرار دیتا ہے، لہٰذا اس کی سزا قتل تجویز کرتا ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب 'صحیح بخاری' میں،

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

امام شافعی نے اپنی کتاب 'مسند الشافعی' میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب 'مسند احمد' میں اللہ کے رسول ﷺ کا مسلمانوں کے بارے یہ ارشاد نقل کیا ہے: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ» "جو اپنا دین تبدیل کرلے تو اسے قتل کردو۔" امام مالک نے بھی اس مضمون کی روایت اپنی کتاب 'الموطا' میں ذکر کی ہے۔ البتہ فقہا نے یہ نقل کیا ہے کہ جو مسلمان دین اسلام سے پھر جائے گا، پہلے اسے قید کیا جائے گا اور کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کو رفع کرکے اس پر حجت قائم کی جائے گی، اس کے بعد اس پر یہ سزا نافذ کی جائے گی۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسے ریاست نے امان اسی کلمے کی بنیاد پر دی تھی کہ جس کلمے کی اطاعت کو اس نے اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ اسی طرح چونکہ وہ ذمی بھی نہیں ہے کہ اسے جزیہ کی وجہ سے امان حاصل ہوئی ہے، لہٰذا اس کا یہ عمل جب تک اسلامی ریاست کی حدود میں ہو تو اطاعت کے قلادے کو اُتار پھینکنے کی وجہ سے سراسر بغاوت پر مبنی عمل ہے۔

⑫ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"اس میں شبہ نہیں کہ جہاد اسلام کا حکم ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ ان کے پاس طاقت ہو تو وہ ظلم وعدوان کے خلاف جنگ کریں۔ قرآن میں اس کی ہدایت اصلاً فتنہ کے استیصال کے لئے کی گئی ہے۔ اس کے معنی کسی شخص کو ظلم وجبر کے ساتھ اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں۔ یہی چیز ہے جسے انگریزی زبان میں (Persecution) کہا جاتا ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ حکم ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں، بلکہ بحیثیتِ جماعت دیا گیا ہے۔"

یہ درست ہے کہ جہاد کا مقصد ظلم وعدوان کا خاتمہ ہے۔ پس جہاد کا حکم لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے نہیں بلکہ ظلم وزیادتی کے خاتمے کے لیے ہے۔ لیکن ظلم سے مراد صرف وہی ظلم نہیں ہے کہ جو کسی شخص کو اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کے لیے کیا جائے بلکہ ظلم میں ہر قسم کا ظلم شامل ہے۔ خلفاے راشدین کے دور میں جس قدر اقدامی جہاد ہوا ہے مثلاً روم وفارس سے جو جہاد ہوا تو وہاں کون سے مسلمان موجود تھے کہ جن پر ہونے والے ظلم کے جواب میں یہ جہاد جاری کیا گیا۔ اس جہاد کا مقصد اس ظلم کا خاتمہ تھا جو اہل روم اور اہل فارس اپنی اقوام پر کر رہے تھے۔ امام ابن جریر طبری نے اپنی کتاب 'تاریخ الرسل والملوک' میں مسلمانوں کے سفیر عامر بن ربعی رضی اللہ عنہ کا ایرانی سپہ سالار

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

رستم کے دربار میں جو مکالمہ نقل کیا ہے، اس کا ایک حصہ یہ ہے:

اللهُ ابْتَعَثَنَا، وَ اللهُ جَاءَ بِنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ الله، وَمِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلَى سِعَتِهَا، وَمِنْ جَوْرِ الأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الإِسْلام، فَأَرْسَلَنَا بِدِينِهِ إِلَى خَلْقِهِ لِنَدْعُوَهُمْ إِلَيْهِ، فَمَنْ قَبِلَ مِنَّا ذَلِكَ قَبِلْنَا ذَلِكَ مِنْهُ وَرَجَعْنَا عَنْهُ، وَتَرَكْنَاهُ وَأَرْضَهُ يَلِيهَا دُونَنَا، وَمَنْ أَبَى قَاتَلْنَاهُ أَبَدًا حَتَّى نُفْضِيَ إِلَى مَوْعُودِ الله

"اللہ نے ہمیں بھیجا ہے، اور اللہ ہمیں تمہارے پاس اس لیے لائے ہیں کہ ہم اللہ کے حکم سے اس کے بندوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کریں، اور اُنہیں دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف لے جائیں، اور اُنہیں مذاہبِ عالم کے ظلم وجور سے نکال کر اسلام کے عدل میں داخل کر دیں۔ پس اللہ عزوجل نے اپنا دین دے کر ہمیں اپنی مخلوق کی طرف بھیجا تاکہ ہم اُنہیں اللہ کی طرف دعوت دیں۔ پس جس نے یہ دعوت قبول کرلی تو ہم بھی اس کے اسلام کو قبول کریں گے اور یہاں سے واپس لوٹ جائیں گے۔ نہ صرف اُنہیں چھوڑ دیں گے بلکہ ان کی زمین بھی انہی کے پاس رہنے دیں گے۔ اور جس نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو ہم اس سے ہمیشہ کے لیے جنگ کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کے وعدے کو پالیں۔"

پس اسلام میں جہاد کا مقصود صرف مسلمان پر ظلم کا خاتمہ نہیں بلکہ انسانوں پر سے ظلم کا خاتمہ ہے۔ اور دیگر ادیان و نظاموں کا نفاذ بھی ظلم کی ایک صورت [1] ہے۔ اور انسانوں پر سے ظلم کا یہ خاتمہ وہی مسلمان کرسکتے ہیں جو خود ظالم نہ ہوں۔

⑭ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ بالکل قطعی ہے کہ جہاد صرف مقاتلین (Combatants) سے کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کا قانون یہی ہے کہ اگر کوئی زبان سے حملہ کرے گا تو اس کا جواب زبان سے دیا جائے گا، لڑنے والوں کی مالی مدد کرے گا تو اس کو مدد سے روکا جائے گا، لیکن جب تک وہ ہتھیار اُٹھا کر لڑنے کے لیے نہیں نکلتا، اس کی جان نہیں لی جاسکتی۔ یہاں تک کہ عین میدانِ جنگ میں بھی وہ اگر

1 مذکورہ فرمان میں مذاہبِ عالم کے ظلم وجور کے علاوہ درج ذیل فرمانِ نبویؐ بھی اس پر شاہد ہے:
«مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ» (صحیح بخاری: ۱۲۳)

البداية والنهاية: 117/22

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ہتھیار پھینک دے تو اسے قیدی بنایا جائے گا، اس کے بعد اُسے قتل نہیں کیا جاسکتا۔"

یہ بات درست ہے کہ جہاد صرف مقاتلین سے ہی ہوگا لیکن مقاتلین کی جو تعریف غامدی صاحب نے بیان کی ہے، وہ قابل نظر ہے۔ مقاتلین صرف ہتھیار اُٹھانے والے نہیں ہوتے بلکہ مقاتلین سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ میں شریک ہوں، چاہے ہتھیار اُٹھا کر، چاہے ہتھیار چلا کر۔ آج کل کی صورتِ حال میں کسی بھی ملک کی سیکورٹی فورسز، آرمی، نیوی اور فضائیہ میں ہتھیار چلانے والے یا دوبدو لڑنے والے تو کم ہی ہوتے ہیں، باقی ایک بڑی تعداد تو اُن کے معاونین کی ہوتی ہے۔

⑭ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"دورِ حاضر کے مغربی مفکرین سے صدیوں پہلے قرآن نے اعلان کیا تھا کہ ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ "مسلمانوں کا نظم اجتماعی اُن کے باہمی مشورے پر مبنی ہوگا۔" اس کے صاف معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی حکومت ان کے مشورے سے قائم ہوگی۔ نظام مشورے ہی سے وجود میں آئے گا۔ مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہوں گے۔"

مسلمانوں کی حکومت میں مشورے کی اہمیت سے انکار نہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ منصوص مسائل میں مشورہ نہیں بلکہ ان کے نفاذ کی تدبیر میں مشورہ ہوگا۔ اسی طرح مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہوں گے تو اس میں بھی تفصیل یہ ہے کہ مسئلہ کی نوعیت کو دیکھیں گے۔ اگر تو مسئلہ قومی ہے تو قوم سے مشورہ لیا جائے اور اگر علمی ہے تو اہل علم سے مشورہ کیا جائے اور فنی ہے تو اہل فن سے مشورہ لیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بدر، اُحد اور خندق کی جنگوں میں عام مشورہ لیا کیونکہ مسئلہ قومی تھا کہ قوم نے ہی لڑنا تھا لہٰذا اسی سے مشورہ کیا گیا۔

⑮ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"جدید ریاست میں پارلیمان کا ادارہ اسی مقصد سے قائم کیا جاتا ہے۔ ریاست کے نظام میں آخری فیصلہ اسی کا ہے اور اس کا ہونا چاہیے۔ علما ہوں یا ریاست کی عدلیہ، پارلیمان سے کوئی بالاتر نہیں ہو سکتا۔"

ریاست میں پارلیمان کے ادارے کو 'شوریٰ' بنالیں، لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ریاست کے نظام میں آخری سند پارلیمان ہے۔ اسلامی ریاست کے نظام میں آخری سند (سپریم اتھارٹی) کتاب وسنت

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ہیں جو تمام شہریوں کے دنیوی ودینی جملہ حقوق کی ادائیگی کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ پارلیمان کو بھی یہ ثابت کرنا ہو گا کہ نظام کی جو تعبیر اور صورت وہ پیش کر رہی ہے، وہ ظلم وزیادتی پر مبنی نہیں ہے۔ اور اگر پارلیمان کی کسی تعبیر سے شہریوں کے دنیوی یا دینی حقوق متاثر ہوں گے، تو اُنہیں اعلیٰ عدلیہ کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ اب اعلیٰ عدلیہ اس بارے فیصلہ کرے گی کہ پارلیمان کا وضع کیا گیا نظام کہیں کتاب وسنت کے منافی تو نہیں ہے؟ اگر اعلیٰ عدلیہ یہ فیصلہ کر دے کہ پارلیمان کا وضع کردہ نظام کتاب وسنت کے منافی نہیں ہے تو اس کا فیصلہ ہر دو فریق پر لاگو ہو گا۔

⑯ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"اسلام میں حکومت قائم کرنے اور اس کو چلانے کا یہی ایک جائز طریقہ ہے، اس سے ہٹ کر جو حکومت قائم کی جائے گی، وہ ایک ناجائز حکومت ہو گی، خواہ اس کے سربراہ کی پیشانی پر سجدوں کے نشان ہوں یا اسے امیر المؤمنین کے لقب سے نواز دیا جائے۔"

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ غامدی صاحب کو اپنی رائے میں عاجز ہونا چاہیے۔ اگر وہ بھی فتویٰ کی زبان اور ترش اسلوب میں بات کرنا شروع کر دیں گے تو پھر اُنہیں اپنے ناقدین سے اسی قسم کے اُسلوبِ بیان کا شکوہ رکھنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہو گا۔ سوسائٹی میں علمی مکالمہ ہونا چاہیے لیکن اس قسم کے الفاظ علمی مکالمہ کی بجائے ردعمل کی نفسیات کو جنم دیتے ہیں۔

⑰ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کی حکومت اگر کسی جگہ قائم ہو تو اس سے بالعموم نفاذِ شریعت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ تعبیر مغالطہ انگیز ہے، اس لئے کہ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں حکومت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ شریعت کے تمام احکام ریاست کی طاقت سے لوگوں پر نافذ کر دے حالانکہ قرآن وحدیث میں یہ حق کسی حکومت کے لئے بھی ثابت نہیں ہے۔ اسلامی شریعت میں دو طرح کے احکام ہیں، ایک جو فرد کو بحیثیتِ فرد دیے گئے ہیں، اور دوسرے جو مسلمانوں کے معاشرے کو دیے گئے ہیں، پہلی قسم کے احکام خدا اور بندے کے درمیان ہیں اور وہ اس میں کسی حکومت کے سامنے نہیں بلکہ اپنے پروردگار ہی کے سامنے جواب دہ ہے۔ لہٰذا دنیا کی کوئی حکومت اسے مثال کے طور پر، روزہ رکھنے یا حج عمرہ کے لئے جانے یا ختنہ کرانے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

یا مونچھیں پست رکھنے اور وہ اگر عورت ہے تو سینہ ڈھانپنے، زیب وزینت کی نمائش نہ کرنے یا اسکارف اوڑھ کر باہر نکلنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتی۔ اس طرح کے معاملات میں تعلیم وتربیت اور تلقین ونصیحت سے آگے اس کے کوئی اختیارات نہیں ہیں، اِلا یہ کہ کسی کی حق تلفی یا جان، مال وآبرو کے خلاف زیادتی کا اندیشہ نہ ہو۔ قرآن نے پوری صراحت کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ دین کے ایجابی احکام میں سے یہ صرف نماز اور زکوٰۃ ہے جس کا مطالبہ مسلمانوں کا کوئی نظم اجتماعی اگر چاہے تو قانون کی طاقت سے کر سکتا ہے۔ رہے دوسری قسم کے احکام تو وہ درحقیقت دیے ہی حکومت کو گئے ہیں۔ اس لئے کہ اجتماعی معاملات میں وہی معاشرے کی نمائندگی کرتی ہے۔ علماء اربابِ حل وعقد سے ان پر عمل کا مطالبہ کریں تو یقیناً حق بجانب ہوں گے اور اپنے منصب کے لحاظ سے ان کو کرنا بھی چاہیے۔ مگر یہ شریعت پر عمل کی دعوت ہے، نفاذِ شریعت کی تعبیر اس کے لئے بھی موزوں قرار نہیں دی جا سکتی۔"

غامدی صاحب نے دینی احکام کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم کے بارے ان کا کہنا یہ ہے کہ ان احکامات میں بندہ صرف اپنے پرودگار کو جواب دہ ہے، الا یہ کہ کسی کی حق تلفی یا جان ومال یا آبرو کے خلاف زیادتی ہو۔ لیکن اس میں ایک ضروری اضافے کے بغیر ان کی بات نامکمل ہے اور وہ اضافہ یہ ہے کہ اگر کسی فرد کے عمل سے معاشرے میں فتنہ اور فساد کی راہ کھلے گی تو اسے قانوناً روکا جائے گا۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر حکومت ایک عورت کو سینہ ڈھانپنے یا اسکارف پہننے لیے مجبور نہیں کر سکتی ہے تو کیا حکومت اس کے بے لباس (nude) ہو کر مقامی مقامات پر گھومنے پھرنے کی صورت میں بھی صرف وعظ ونصیحت پر اکتفا کرے گی؟ اور اس صورت میں کسی کی کیا حق تلفی ہوتی ہے یا جان ومال کو نقصان پہنچتا ہے؟ پس صحیح موقف یہ ہے کہ حکومت ہر ایسے کام سے روکے گی اور اسے روکنا بھی چاہیے کہ جو معاشرے میں کسی بھی قسم کے دینی، اخلاقی یا روحانی بگاڑ کا سبب بنے۔ سورۃ الحج: ۴۱ میں مذکور مسلم حکومت کے فرائض میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تقاضے اسے پورے کرنا ہوں گے۔

⑱ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین کا اہتمام حکومت کرے گی۔ یہ نمازیں صرف انہی مقامات پر ادا کی جائیں گی جو حکومت کی طرف سے ان کے لئے مقرر کر دیئے جائیں گے۔ ان کا منبر حکمرانوں

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کے لئے خاص ہو گا۔ وہ خود ان نمازوں کا خطبہ دیں گے اور ان کی امامت کریں گے یا ان کی طرف سے ان کا کوئی نمائندہ یہ ذمہ داری ادا کرے گا۔ ریاست کی حدود میں کوئی شخص اپنے طور پر ان نمازوں کا اہتمام نہیں کر سکے گا۔"

حکمران ضرور نماز پڑھائیں لیکن بات یہ ہے کہ وہ علمی، اخلاقی اور روحانی طور پر اپنے آپ کو اس کا اہل بھی تو ثابت کریں ناں۔ اگر موجودہ صورتِ حال میں اس تجویز پر عمل کر لیا جائے تو دین چھوڑ معاشرہ بھی ایک تماشہ بن جائے گا۔ اب اگر جناب زرداری صاحب دارالعلوم کراچی میں عید کی نماز پڑھائیں اور مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب اُن کے مقتدی ہوں، جناب نواز شریف صاحب بادشاہی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیں اور مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب ان کے سامع ہوں اور جناب عمران خان صاحب فیصل مسجد کے امام ہوں اور مولانا فضل الرحمٰن ان کے مقتدی تو کیا سین پارٹ ہو گا؟ اور پھر جہاں جناب الطاف بھائی کا خطبہ ہو گا اور جناب رحمان ملک کی تلاوت تو مقتدیوں کے پاس، کیا نماز قضا کرنے کے علاوہ بھی کوئی چارہ ہو گا؟ جناب عرض ہے کہ کیوں ایسی بے کار تجویزیں پیش کی جائیں کہ جن سے نماز جیسا اہم رکن دین ایک تماشہ بن کر رہ جائے۔ باقی اصلاح ہر طبقے کی ہونی چاہیے، اس سے کس کو انکار ہے؟ لیکن جس طرح سیاست دانوں کی اصلاح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں ڈاڑھی والے بھرتی کر لیے جائیں، اسی طرح مولویوں کی اصلاح کا یہ کوئی طریقہ کار نہیں ہے کہ منبر و محراب پر سیاست دانوں کو بٹھا دیا جائے۔ "لكل فن رجال"، ہر فن کے اپنے لوگ ہوتے ہیں جو اسے بہتر جانتے ہیں اور بہتر طور چلانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں لہٰذا رجال کی اصلاح کی خواہش کا اظہار ان کی تربیت کا کوئی نظام قائم تجویز کر کے ہونی چاہیے، نہ کہ اکھاڑ پچھاڑ کے رستے۔

⑲ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"قانون نافذ کرنے والے ادارے اصلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ادارے ہوں گے۔ چنانچہ معاشرے میں سے صالح ترین افراد اِن اداروں کے لئے کارکنوں کی حیثیت سے منتخب کئے جائیں گے۔ وہ لوگوں کو بھلائی کی تلقین کریں گے اور ان سب چیزوں سے روکیں گے جنہیں انسان ہمیشہ سے برائی سمجھتا رہا ہے۔ تاہم قانون کی طاقت اسی وقت استعمال کریں گے، جب کوئی شخص کسی کی حق تلفی کرے گا یا اس کی جان ومال یا آبرو کے خلاف کسی اقدام

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کے درپے ہو گا۔"

غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کریں اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ صالح ترین افراد کا انتخاب کیا جائے۔ لیکن قانون کی طاقت استعمال کرنے کی صورتوں میں یہاں بھی ہم وہی اضافہ کریں گے جو پیچھے کر چکے ہیں کہ اُس صورت میں بھی یہ ادارے قانون کی طاقت استعمال کریں گے کہ جس سے معاشرے میں کسی بھی قسم کے فتنہ یا فساد کے پھیل جانے کا اندیشہ ہو۔ نیز معروف و منکر کے تعین، میں انسانی عقل و دانش کے ساتھ میزان کی حیثیت قرآن و سنت کو حاصل ہو گی، جسے وہ منکر قرار دیں، اس کی روک تھام کی جائے اور جسے معروف کہیں اس کا بول بالا کیا جائے۔

⑳ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"قتل اور فساد فی الارض کے سوا موت کی سزا کسی جرم میں بھی نہیں دی جائے گی۔ نیز ریاست کا کوئی مسلمان شہری اگر زنا، چوری، قتل، فساد فی الارض اور قذف کا ارتکاب کرے گا اور عدالت مطمئن ہو جائے گی کہ اپنے ذاتی، خاندانی اور معاشرتی حالات کے لحاظ سے وہ کسی رعایت کا مستحق نہیں ہے تو اس پر وہ سزائیں نافذ کی جائیں گی جو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت کو پورے شعور اور شرحِ صدر کے ساتھ قبول کر لینے کے بعد ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کیلیے اپنی کتاب میں مقرر کر دی ہیں۔"

غامدی صاحب کی یہ بات درست ہے کہ قتل اور فساد فی الارض میں موت کی سزا دی جائے لیکن اس کے علاوہ بھی بعض جرائم ایسے ہیں کہ جن کی سزا شریعتِ اسلامیہ میں موت مقرر کی گئی ہے جیسا کہ شادی شدہ مرد یا عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں اور ان کا یہ جرم ثابت ہو جائے تو اس کی سزا بھی رجم ہے۔ اسی طرح غامدی صاحب کی طرف سے زنا، چوری، قتل اور قذف کے جرائم میں بیان کردہ قرآنی سزاوں کے نفاذ کی بات درست ہے۔ بس ان جرائم میں اللہ کے رسول ﷺ نے ایک اور جرم کا اضافہ فرمایا اور وہ شراب نوشی ہے۔ شراب نوشی کی صورت میں بھی چالیس یا اسّی کوڑوں کی سزا جاری کی جائے گی جیسا کہ دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ اور مجرم کے جرم پر اصرار اور اس جرم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فساد کی نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے جج ان دونوں میں سے کوئی بھی سزا نافذ کر سکتا ہے۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

محسن فارانی

سِول سوسائٹی، پاکستان اور اسلام

"پشاور میں سول سوسائٹی کے نام پر 'شغل سوسائٹی' کے کارندے آپے سے باہر ہو گئے۔ احتجاج کی کوریج کے دوران نشے میں دُھت افراد نے دنیا نیوز کی ٹیم کو وحشیانہ تشدد کا نشانہ بناڈالا۔"

خبر کی تفصیل میں بتایا گیا کہ

"امن کمیٹی کے روپ میں بدامنی پھیلانے والے ایکشن فورم کے ارکان نے آج (۳۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء) پشاور پریس کلب کے سامنے سانحۂ آرمی پبلک سکول کے خلاف احتجاج کی کوریج کے دوران دنیا نیوز کی ٹیم کو لاتوں، گھونسوں اور تھپڑوں سے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ تشدد سے دنیا نیوز کے رپورٹر یاسر حسین، ناصر داوڑ، عمران یوسفزئی اور کیمرہ مین کامران پراچہ شدید زخمی ہو گئے۔ بدامنی پھیلانے والے 'ایکشن فورم' کے افراد نے میڈیا اور اخبار نویسوں کے خلاف غلیظ زبان بھی استعمال کی۔ شراب کے نشے میں دھت ان افراد سے شراب کی بوتلیں بھی برآمد ہوئیں۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر دو افراد کو حراست میں لے لیا۔ تشدد کرنے والوں کا سربراہ ڈاکٹر عمران اپنے آپ کو سول سوسائٹی کا رکن ظاہر کرتا ہے۔"[1]

روزنامہ 'نئی بات' کی خبر میں بتایا گیا کہ

"آرمی پبلک سکول پر حملے کے خلاف '۱۲ر ۱۶.. ایکشن فورم' کے زیر اہتمام احتجاج کے دوران شراب کے نشے میں دھت کارکنوں نے نجی ٹی وی کی ڈی ایس این جی پر حملہ کر دیا اور رپورٹر اور کیمرہ مین کو تشدد کا نشانہ بنایا جبکہ بیچ بچاؤ کرانے والے متعدد صحافیوں پر بھی بدترین تشدد کیا۔ این جی اوز نے سول سوسائٹی کے نام پر اپنی ہڑتال اور احتجاج کو کامیاب بنانے کے لیے نوجوان کارکنوں کو شراب پلا کر احتجاج میں شامل کیا۔ مظاہرین نے صدر روڈ، خیبر بازار، امن چوک، گورا قبرستان، جی ٹی روڈ، یونیورسٹی روڈ، چارسدہ روڈ اور دیگر روٹس پر ٹائر جلا کر اور

۱ روزنامہ 'دنیا'، یکم جنوری ۲۰۱۵ء

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

دھرنے دے کر سڑکیں بلاک کر دیں۔ پولیس نے مظاہرین کو روڈز کھولنے کو کہا تو اُنہوں نے انکار کر دیا جس پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا اور فورم کے ممبران ثنا اعجاز، ڈاکٹر سیّد عالم محسود، گل نواز مہمند، تیمور کمال، طارق افغان، وقاص بونیری، محمد سلطان، محمد روم اور دیگر افراد کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا... پولیس نے بعد ازاں تمام افراد کو رہا کر دیا جنہوں نے امن چوک میں جلسے کا انعقاد کیا اور پشاور پریس کلب پہنچے۔ جہاں مظاہرین سرعام شراب نوشی کر رہے تھے اور ہاتھوں میں ڈنڈے بھی پکڑ رکھے تھے۔ اس موقع پر اخبارات اور نجی چینلوں کے نمائندے بھی موجود تھے۔ شراب کے نشے میں دھت ڈاکٹر عمران اور کزئی اور دیگر غنڈے اُنہیں کوریج سے روکنے کے لیے اُن پر پل پڑے جس کے نتیجے میں سینئر رپورٹر ناصر داوڑ، کیمرہ مین کامران پراچہ اور انجینئر وقار احمد شدید زخمی ہو گئے جنہیں علاج کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔"[1]

یا لَلعجَب! اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یوں سرعام 'سول سوسائٹی' کی طرف سے شراب نوشی کا مظاہرہ اور وہ بھی معصوم طالب علموں کے قتل عام پر احتجاج کے نام پر۔ یہ طلبہ اور ان کے اساتذہ کے قتل پر سوگ اور احتجاج کا مظاہرہ تھا یا شراب نوشی کا جشن منا کر شہدا کے ورثا کے زخموں پر نمک چھڑکنے کی قبیح حرکت تھی؟ اس بھدّے اور بے حیا مظاہرے سے سول سوسائٹی کی انسان دوستی کا بھرم کھل گیا۔ ان لوگوں کی مغربی سرمائے سے چلنے والی تنظیموں اور ان کی مذموم حرکات کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے!

آیئے دیکھتے ہیں یہ سول سوسائٹی اصل میں ہے کیا اور یہ کس طرح ہمارے معاشرے میں اپنے ابلیسی پنجے گاڑتی چلی جا رہی ہے۔ اصطلاحی طور پر سول سوسائٹی کے معنی ہیں: "غیر سرکاری تنظیموں اور اداروں کا مجموعہ جس سے شہریوں کے مفادات اور عزم کا اظہار ہوتا ہے۔" ایک اور توضیح کی رو سے "سول سوسائٹی معاشرے کے ان افراد اور تنظیموں پر مشتمل ہوتی ہے جو حکومتی انتظامیہ سے آزاد ہوں۔" جبکہ کولنز انگلش ڈکشنری کے مطابق "سول سوسائٹی آزادئ تقریر اور آزاد عدلیہ جیسے عناصر پر مشتمل ہوتی ہے جو ایک جمہوری معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔"

---

۱ روزنامہ 'نئی بات' یکم جنوری ۲۰۱۵ء

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ارسطو سے سول سوسائٹی تک

سول سوسائٹی کا تصور مغرب یا یورپ کی دین ہے۔ اس کا اوّلین تصور یونانی شہری ریاست (Polis) سے ابھرا جس میں "آزاد شہری قانون کی حکمرانی کے تحت مساوی سطح پر رہتے تھے۔" اپنی تصنیف Politics (سیاست) میں ارسطو نے سول سوسائٹی کے لیے دراصل Koinonia Politics (سیاسی مقننہ) یا کمیونٹی (برادری) کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ اس کا مقصد 'عوام کی بہبود' بتایا گیا۔ جبکہ اس یونانی فلسفی نے انسان کی تعریف اس طرح کی تھی کہ "یہ Zoon Politikon (سیاسی یا سماجی جانور) ہے۔" حالانکہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے مگر اہل مغرب نے ارسطو سے بہیمانہ اصطلاح 'سماجی جانور' (Social Animal) لے کر شرف انسانی کی توہین کی ہے۔ ارسطو کے تراجم لاطینی میں ہوئے تو مسرو نے ارسطو کی اصطلاح کا ترجمہ Societas Civilis (شہری مجلس) کیا جس نے انگریزی میں 'سول سوسائٹی' کا روپ دھار لیا۔ یاد رہے ارسطو افلاطون کا شاگرد اور سکندرِ اعظم کا اُستاد تھا۔ یہ سب صنم پرست تھے، البتہ افلاطون (Plato) کے استاد سقراط (Socratese) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مؤحد تھا۔

ہیومنزم، روشن خیالی اور سیکولرزم

قرونِ وسطیٰ میں جو یورپ کا زمانہ جاہلیت (Dark Ages) تھا، کلاسیکل سول سوسائٹی کا تصور غائب ہو گیا اور اس کی جگہ 'منصفانہ جنگ' نے لے لی۔ یہ دور یورپ میں صد سالہ، سی سالہ اور ہفت سالہ جنگوں سے عبارت تھا۔ صد سالہ جنگ فرانس اور انگلستان کے درمیان ۱۳۳۷ء سے ۱۴۵۱ء تک لڑی گئی۔ یہ دراصل جنگوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ اسی طرح سی (۳۰) سالہ جنگ وسطی یورپ میں لڑی گئی اور معاہدہ ویسٹ فالیا (جرمنی ۱۶۴۸ء) پر منتج ہوئی۔

سی سالہ جنگ میں جو مظالم ڈھائے گئے، ان کے نتیجے میں Humanism (انسانیت نوازی)، سائنسی انقلاب اور Enlightenment (روشن خیالی) کے نعروں نے جنم لیا تھا۔ تھامس ہوبس نے Civility (سول آداب) اور Rationality (عقلیت پرستی) پر زور دیا جبکہ انگریز مفکر جان لاک کا کہنا تھا کہ "ریاست کو سول اور فطری قوانین کی حدود میں رہ کر کام کرنا چاہیے۔" دونوں کا نظریہ تھا کہ

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"شہری خوبیاں (Civic Virtues) اور حقوق (Rights) فطری قوانین سے اخذ کیے جائیں۔"

یوں 'فطری قوانین' کی آڑ میں لادینیت یا سیکولرزم کی بنیاد رکھ دی گئی۔

مغرب میں دین اور دنیا کی علیحدگی

یہ دور یورپ میں ریاست کی کلیسا یا مذہب سے علیحدگی کا دور تھا جس کا اظہار 'ریشنالٹی' یا عقلیت پرستی اور 'نیچرل لاز' یا فطری قوانین کی شکل میں ہوا۔ پاپائیت کے انسانیت کُش جبر کے نتیجے میں مذہب کو ریاست سے باہر کر دیا گیا اور سیکولرزم (لادینیت) کا دور دورہ ہوا حتیٰ کہ جمہوریت اور سیکولرزم لازم وملزم ٹھہرے، اور لادینیت کی بنیاد پر سول سوسائٹیاں فروغ پانے لگیں۔ الہامی مذاہب یا الہامی قوانین سے قطع تعلق کر کے 'فطری' یا حیوانی قوانین کے اطلاق کے نتیجے میں زناکاری، اَغلام بازی، عریانی اور فحاشی کو فروغ ملا اور یہ اخلاقی برائیاں تہذیبِ مغرب یا سول سوسائٹی کا طرۂ امتیاز ٹھہریں۔ انسانی اخلاق معاشرے کی مادی ضرورتوں کے تابع قرار پائے، چنانچہ اخلاقیات سے عاری یورپ کی مسیحی اقوام مغربی افریقہ سے سیاہ فام مسلمانوں اور دیگر لوگوں کو غلام بنا کر براعظم امریکہ میں غلاموں کی منڈیوں میں بیچنے لگیں۔

یورپی سامراج کی فتوحات

اٹھارویں صدی سے مسلح یورپی قزاقوں نے تاجروں کے بھیس میں ایشیا اور افریقہ پر یلغار کی۔ شرق الہند کے جزائر پر پرتگالیوں، ہسپانویوں، ولندیزیوں (ڈچ) اور انگریزوں نے قبضہ جمالیا۔ ملائی اور انڈونیشی مسلمان ان یورپی مسیحی اقوام کے غلام بن گئے۔ برصغیر کا وسیع خطہ اس زمانے میں اپنی دولت وحرفت کی بنا پر 'سونے کی چڑیا' کہلاتا تھا۔ اس پر قابض ہونے کے لیے انگلستان اور فرانس میں کشمکش رہی۔ آخر کار انگریزوں نے فرانسیسیوں کو ہندوستان کے ساحلوں سے بھگا دیا۔ انگریزوں نے یہاں سازشوں کا جال بچھایا اور ایک سو برس میں مسلم حکمرانوں سے بتدریج ہندوستان کا اقتدار چھین لیا۔ ۱۷۵۷ء میں بنگال، ۱۷۹۹ء میں میسور، ۱۸۰۳ء میں دہلی اور ۱۸۴۳ء میں سندھ پر قبضہ جمالیا۔ ۱۷۹۹ء سے پنجاب پر اور ۱۸۱۹ء سے پشاور پر سکھ قابض تھے، اُنہیں ۱۸۴۹ء میں شکست دے کر انگریزوں نے پنجاب و سرحد کو برطانوی ہند کا حصہ بنالیا اور پھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ناکام بنا کر آخری مغل بادشاہ

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

بہادر شاہ ظفر کی برائے نام بادشاہی ختم کر کے انگریز پورے ہندوستان کے مالک بن گئے۔ آخر میں ۱۸۷۶ء میں کوئٹہ برطانوی ہند میں شامل ہوا۔ اسی دور میں یورپ کی یونیورسٹیوں میں استشراق یا 'مطالعۂ مشرق' کے ادارے قائم ہوئے جن میں عیسائی پادری اور یہودی حاخام پیش پیش تھے۔ ان میں دین اسلام و مسلمانوں کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلانے کا کام ہوتا رہا۔

دوسری طرف فرانس الجزائر (۱۸۳۰ء) اور تیونس (۱۸۸۱ء) پر اور برطانیہ مصر (۱۸۸۲ء) پر قابض ہو چکا تھا۔ پھر ۱۸۸۵ء کی برلن کانگرس میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، سپین اور بلجیم نے پورے براعظم افریقہ کی بندر بانٹ کر کے اسے محکوم بنالیا۔ ادھر پہلی جنگِ عظیم کے اختتام تک برطانیہ خلیجی ریاستوں، جنوبی یمن، عراق، اُردن اور فلسطین پر جبکہ فرانس لبنان وشام پر قبضہ جما چکا تھا۔ ان تمام محکوم ممالک میں یورپی زبانوں کی تعلیم کے واسطے سے یورپی طرز کی سول سوسائٹیاں تشکیل پاتی چلی گئیں۔

مشنری ادارے، لارڈ میکالے اور کالے انگریز

ایشیا اور افریقہ کو غلام بنانے کے ساتھ ساتھ یورپ کے مشنری ادارے یہاں پنجے گاڑنے لگے۔ اُنہوں نے یہاں شفاخانے اور تعلیمی ادارے قائم کیے جن میں یورپی زبانوں کی تعلیم کے ذریعے عیسائیت کا فروغ ان کا مقصود تھا۔ عیسائیت کے ساتھ ساتھ مغرب کے سیکولر نظریات، اباحیت، لادینیت اور نام نہاد روشن خیالی کو فروغ ملا۔ ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے ہندوستان کے لیے جس نظامِ تعلیم کا خاکہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا، اس کا اہم نکتہ فارسی و عربی کے بجائے یہاں انگریزی کو تعلیمی و سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج کرنا تھا۔ میکالے نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میری اس تعلیمی اسکیم کے نتیجے میں ایسے لوگ تیار ہوں گے جو اوپر سے تو کالے ہوں گے مگر ان کے دل انگریزوں کی طرح سفید ہوں گے، چنانچہ ۱۱۲ برس بعد جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان 'آزاد' ہوا اور پاکستان وجود میں آیا تو یہاں خاصی بڑی تعداد 'کالے انگریزوں' کی جنم لے چکی تھی جو بتدریج اُمورِ حکومت، سول و فوجی افسر شاہی اور ذرائع ابلاغ پر چھاتے چلے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان جو نفاذِ اسلام اور نفاذِ اُردو کے نام پر بنا تھا، یہاں 'کالے انگریزوں' یا یوں کہہ لیں کہ 'سول سوسائٹی' نے مسلط ہو کر نہ اسلام نافذ ہونے دیا اور نہ اُردو کے بطورِ تعلیمی و دفتری زبان نفاذ کی نوبت آنے دی ہے۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

پاکستان میں سول سوسائٹی

پاکستان اپنے قیام کے ساتھ ہی مغربی ابلیسی نظریات کی آماج گاہ بنا ہوا ہے۔ ۱۹۵۰ء، ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں سیکولرزم کے دوش بدوش یہاں سوشلزم (اشتراکیت) اور کمونزم (اشتمالیت) کے غیر اسلامی نظریات کا خوب پرچار ہوا۔ 'کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان' نے ۱۹۵۱ء میں یہاں کمیونسٹ انقلاب برپا کرنے کی ناکام کوشش کی جسے 'راولپنڈی سازش کیس' کہا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں کمیونسٹ پارٹی خلافِ قانون قرار پائی، تاہم ۱۹۶۷ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان پیپلز پارٹی قائم کر کے سوشلزم کا پرچم تھاما تو کمیونسٹ اور سیکولر نظریات رکھنے والے اور سول سوسائٹی کے بیشتر لوگ ان کے ہم نوا بن گئے۔ اُنہیں سیکولر ذہن کے جاہ پرست جرنیلوں کی حمایت بھی حاصل ہو گئی اور ان سب کی ملی بھگت کے نتیجے میں وطن عزیز دسمبر ۱۹۷۱ء میں دولخت ہو گیا۔

'نئے پاکستان' میں پی پی پی نے سیکولرزم اور سوشلزم کی خوب پذیرائی کی۔ ایوبی مارشل لا (۶۹-۱۹۵۸ء) اور بھٹو دور (۷۷-۱۹۷۱ء) میں سول سوسائٹی اور سیکولر عناصر پروان چڑھتے رہے، البتہ محبِ اسلام صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں سول سوسائٹی کا کاروبار قدرے مندا رہا۔ پی ٹی وی پر آنے والی خواتین پر سر ڈھانکنے کی پابندی لگی اور حدود آرڈیننس نافذ ہوا تو مہتاب راشدی جیسی برہنہ سر عورتیں ٹی وی سے نکل گئیں۔

پاکستان میں سول سوسائٹی کے ادارے

اس وقت پاکستان میں سول سوسائٹی اور غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) کی تعداد ۴۶۶۰۰ ہے۔ ان میں سے بعض ادارے تو مثبت کام کر رہے ہیں مگر بیشتر مغرب سے فنڈ وصول کر کے اس کے اسلام دشمن ایجنڈے کو کسی نہ کسی طرح آگے بڑھا رہے ہیں۔

سول سوسائٹی کے چند مشہور ادارے درج ذیل ہیں:

ایمنیسٹی انٹرنیشنل (ایمنسٹی)	آغا خاں فاؤنڈیشن (AKF)
آغا خاں رورل سپورٹ پروگرام (AKRSP)	امریکن ریفیوجی کمیٹی آف پاکستان
عورت فاؤنڈیشن	آزاد فاؤنڈیشن

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

بیداری فاؤنڈیشن	بہبود فاؤنڈیشن
انصار برنی ٹرسٹ	آگاہی
آغاز	آہنگ
کیئر انٹرنیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان)	چائلڈ کیئر فاؤنڈیشن (پاکستان)
کیتھولک ریلیف سروس (کراچی، اسلام آباد، کوئٹہ)	سالویشن آرمی (پاکستان)
کیتھولک سوشل سروس (پاکستان)	پاپولیشن کونسل (پاکستان)
ینگ مین کرسچین ایسوسی ایشن (YMCA)	امریکن نیشنل سکول
کرسچین سوشل اپ لفٹ آرگنائزیشن (CSUO)	بلوم فیلڈ زہائی سکول
پاکستان پاورٹی ایسوسی ایشن فنڈ (PPAF)	ایف سی کالج یونیورسٹی (لاہور)
پلان ویل (Planwell) یونیورسٹی (کراچی)	ویمن ایکشن فورم (WEF)
رہنما فیملی پلاننگ (پاکستان)	شرکت گاہ
ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (HRCP)	کتھیڈرل چرچ اینڈ سکول (لاہور)
پاکستان سنٹر فار فلن تھراپی (PCP)	کاوش

ایف سی کالج جیسے مشنری تعلیمی ادارے جو بھٹو دور میں قومیا لیے گئے تھے، بعد میں مغربی مشنری اداروں کو واپس کر دیے گئے اور اب وہ سول سوسائٹی اور سیکولرزم کی نرسریاں بن چکے ہیں۔ ایف سی کالج نے یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

سول سوسائٹی، پرنٹ میڈیا اور شوبز

قیام پاکستان کے ساتھ ہی لاہور سے پروگریسو پیپرز کے تحت روزنامہ امروز اور پاکستان ٹائمز (انگلش) شائع ہونے لگے۔ یہ دونوں اخبارات سول سوسائٹی اور سیکولرزم اور سوشلزم و کمیونزم کے پرچارک بن گئے اور اسلام اور پاکستان کے خلاف عناصر ان کی آڑ میں اپنے گمراہ کن نظریات پھیلانے لگے۔ ایوبی مارشل لاء میں یہ دونوں اخبارات سرکاری ادارے 'نیشنل پریس ٹرسٹ' کا حصہ بن گئے مگر ان کے کام اور طریق کار میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ بھٹو دور میں آزاد، مساوات اور الفتح اور دھنک جیسے اخبارات و جرائد نے بھی یہی کام کیا۔ امروز، مشرق اور پاکستان ٹائمز تو ۱۹۹۶ء کی دہائی میں بند ہو گئے

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

مگر ان کے تربیت یافتگان آج ہمارے بیشتر اخبارات و جرائد پر چھائے ہوئے ہیں اور ان میں زیادہ پبلسٹی سول سوسائٹی والوں اور غیر اسلامی نظریات و افکار کے پرچارکوں کو ملتی ہے۔ اخبارات نے پورے پورے صفحے ہالی وڈ اور ممبئی کی حیاباختہ اداکاراؤں، فحاشی پھیلانے والے شوبز کے لیے وقف کر رکھے ہیں۔

سول سوسائٹی اور الیکٹرانک میڈیا

برطانوی دور میں مسلمانوں کے کوٹے میں ایک خاص گروہ آل انڈیا ریڈیو میں بھرتی ہوا اور زیادہ تر وہی لوگ ریڈیو پاکستان میں چلے آئے۔ ۱۹۶۴ء میں پاکستان ٹیلی ویژن (PTV) کا اجرا ہوا تو وہ اس میں بھی دخیل ہو گئے۔ کراچی کے ادیب سلیم احمد کے بقول پی ٹی وی کے پہلے ڈائریکٹر جنرل زیڈ اے بخاری نے ایک اساسی اجلاس میں صاف کہا تھا کہ "ملک میں ٹی وی کے اجرا سے ہمارا مقصد اس مولوی کو باہر نکالنا ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں گھسا ہوا ہے۔"

اور آج پی ٹی وی سمیت بیسیوں چینل جن افکار و نظریات اور مادر پدر آزاد تہذیب کو فروغ دے رہے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی کا نام لے کر اسلام کے خلاف سرگرم عمل عناصر اپنے منفی عزائم میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ اکثر چینل عریانی اور بے حیائی پر مبنی کھیل اور پروگرام دن رات دکھاتے ہیں اور مسلم قوم کے نونہال اور پیر و جواں انہیں شوق سے دیکھتے ہیں۔

سول سوسائٹی اور اسلامی اقدار و شرعی قوانین کی مخالفت

یوں لگتا ہے کہ سول سوسائٹی کے نام پر اسلامی نظریات اور اسلامی قوانین بالخصوص حدود آرڈیننس کی مخالفت کرنے والے عناصر نے ایکا کر رکھا ہے اور ان کی سرپرستی کے لیے نام نہاد اقوام متحدہ، یورپی یونین اور اُن کا سرگروہ امریکہ اور مغربی میڈیا موجود ہیں۔ ننکانہ (پاکستان) کی ایک دیہاتی مسیحی عورت نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا اور اس پر مقدمہ قائم ہوا تو پورے مغرب نے پاکستان اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ ادھر ملک کے اندر سیکولر حضرات حرکت میں آئے حتیٰ کہ گورنر پنجاب سلمان تاثیر اس عورت کو چھڑانے کے لیے سرگرم عمل ہو گئے اور شیخوپورہ جیل میں جا کر اس سے ملاقات کی۔ یہی نہیں انہوں نے حدود آرڈیننس کو 'کالا قانون' تک کہہ ڈالا۔ ان کی اس جسارت پر رنجیدہ ممتاز قادری نے جو اُن کی حفاظتی گارڈ میں شامل تھے، اسلام آباد میں سلمان تاثیر پر فائرنگ کر کے اُنہیں ہلاک کر دیا، اور اس کیس میں اب ممتاز قادری جیل میں بند ہیں۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

گزشتہ بارہ ربیع الاول کو گلبرگ، لاہور میں سول سوسائٹی کی طرف سے موم بتیاں روشن کر کے سلمان تاثیر کی یاد منائی جارہی تھی کہ محبانِ ممتاز قادری نے دھاوا بول کر اُن کی تقریب درہم برہم کر دی۔ نوبت بہ ایں جارسید کہ ملک میں سیکولرزم کے شیدائیوں کی طرف سے مساجد گرانے اور جلانے کی باتیں بھی ہونے لگی ہیں جس پر امیر جماعت اسلامی جناب سراج الحق نے ان عناصر کو خبردار کیا ہے کہ ایسی باتیں کرنے والے ابرہہ کا انجام یاد رکھیں! ایک کالم نگار نے ملک ریاض کو کراچی میں مسجد بنانے کے بجائے ایک عالمی پائے کی یونیورسٹی قائم کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

سول سوسائٹی اور جنرل مشرف کی روشن خیالی

جنرل پرویز مشرف نے برسر اقتدار آکر سیکولرزم اور نام نہاد 'روشن خیالی' کو خوب بڑھاوا دیا جیسا کہ اُنہوں نے شروع ہی میں بغلوں میں دو 'کتورے' (پلے) اُٹھا کر اپنے سیکولر ایجنڈے کا اظہار کر دیا تھا۔ وہ ترکی کو سیکولرزم کی راہ پر ڈالنے والے مصطفی کمال کے بڑے مداح تھے۔ اُنہوں نے اپنے مغربی آقاؤں کے زیر ہدایت تعلیمی اداروں کے نصاب سے اسلامی موضوعات کو چن چن کر نکالا اور سکولوں میں لازمی عربی ختم کر دی، پاکستان کے آئینی اداروں میں عورتوں کے لیے ایک تہائی نشستیں مخصوص کر دیں اور ساتھ ہی اسمبلیوں کی اُمیدواری کے لیے گریجوایٹ ہونے کی شرط عائد کر دی۔ اس کے نتیجے میں اسمبلیوں اور سینیٹ میں نوجوان، کنواری، بے پردہ عورتیں (اکثر انگلش میڈیم) کثرت سے پہنچ گئیں۔ یہ مغرب کا دیا ہوا ایجنڈا ہے کہ عورتوں کو بے پردگی کی خوگر بنا کر اُنہیں گھروں سے باہر لے آؤ تاکہ وہ دفاتر میں اور اداروں میں مردوں کے دوش بدوش بیٹھیں۔ پرویز مشرف تو چلے گئے مگر ان کا سیکولر ایجنڈا بدستور زور شور سے زیر عمل ہے اور اس میں بیشتر سیاستدان، صحافی، سیکولر دانشور، ادیب اور اُستاد اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں جبکہ محبانِ اسلام 'ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم' کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔

سول سوسائٹی کے بھارت نواز کارندے

بھارت پاکستان کا ازلی دشمن ہے، اس نے پاکستان کی شہ رگ جموں وکشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور پاکستان کے حصے کے دریائی پانیوں کو ہڑپ کرنے کے منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔ اس کے باوجود سول سوسائٹی کے نام نہاد 'روشن خیال' بھارت نوازی اور بھارت دوستی کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ پاکستان اور بھارت کی اساسی پالیسیوں میں کوئی قدرِ مشترک نہیں، اس کے باوجود سول سائٹی کا ایک نمائندہ سلمان عابد اپنے کالم میں لکھتا ہے:

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

"ہمیں اس وقت بھارت اور افغانستان کی ریاست / حکومت سے دہشت گردی کے خاتمے میں ایک بڑے انٹی ٹیررازم میکانزم کی ضرورت ہے۔ یہ کام پاکستان، افغانستان اور بھارت کے ساتھ بہتر تعلقات اور ایک دوسرے کی انٹیلی جینس مدد سے ممکن ہو گا۔" (ایکسپریس)

قارئین کرام! ذرا سوچیے کیا بھارتی 'را' کی 'مدد' سے پاکستان کا کوئی بھلا ہو سکتا ہے؟ مگر پاکستانی سول سوسائٹی کے بقراطوں کا جواب اثبات میں ہے کیونکہ وہ اپنی ٹیڑھی عقل اور ذہنی ساخت کی بنا پر بھارت دوستی اور امن کی آشا کے گیت گانے پر مجبور ہیں۔

سول سوسائٹی اور دینی مدارس

چونکہ سول سوسائٹی والوں کو اسلامی نظریات اور دینی اقدار سے کد ہے، اس لیے وہ روز افزوں دہشت گردی کو مغرب کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ وہ اس پر تو دھیان نہیں دیتے کہ اس دہشت گردی کے اسباب میں مغرب کے پالتو غنڈے اسرائیل کی فلسطین میں خونریز دہشت گردی، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے افغانستان پر ظالمانہ حملے اور پاکستان، یمن، صومالیہ وغیرہ پر ڈرون حملے سر فہرست ہیں، لیکن مدارس اور دینی اداروں کے خلاف مغربی پروپیگنڈے کی جگالی کرتے رہنے میں اُنہیں کوئی عار نہیں۔ محبِ اسلام اور محبِ پاکستان دانشور اور مؤرخ ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں:

"کچھ حضرات اس خوف، صدمے اور خطرات کی فضا سے فائدہ اٹھا کر مذہب کو نشانہ بنا رہے ہیں، گویا مذہب ہی اس دہشت گردی کا ذمہ دار ہے اور یہ کہ سارے مسئلے کی جڑ پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دینا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہمارے مدرسے جہادی پیدا کرتے ہیں اور خود کش حملوں سے لے کر دہشت گردی تک مذہبی برین واشنگ کا نتیجہ ہیں۔ کچھ دانشوروں کا فتویٰ ہے کہ اگر پاکستان کو اسلامی جمہوریہ کے بجائے صرف جمہوریہ قرار دے دیا جائے، تو مذہبی شدت پسندی کا مسئلہ حل ہو جائے گا... ان حضرات کو چاہیے کہ ترقی یافتہ یورپی اور دوسرے ممالک کے دساتیر پڑھیں جن میں کسی نہ کسی مذہب یا مذہبی مسلک کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے... دہشت گردی کے طوفان کو جنم لیتے اور عذاب بنتے جنرل پرویز مشرف کے دور میں دیکھا، جب نائن الیون کا سانحہ پیش آیا ورنہ افغان جہاد کے غیر ملکی مجاہدین فاٹا کے علاقوں میں آباد ہو کر نارمل زندگی گزار رہے تھے۔"

"آج کل دوسرا آسان ٹارگٹ مدرسے بنے ہوئے ہیں۔ مجھے بے شمار مدارس دیکھنے کا موقع ملا

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ہے اور میرے مشاہدے کے مطابق مدرسوں کی بہت بڑی تعداد خدمت سر انجام دے رہی ہے، جہاں غریب و یتیم بچوں کو رہائش اور کھانا وغیرہ مہیا کر کے مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ مدرسے مقامی چندوں پر زندہ ہیں۔ اُنہیں نہ بیرونِ ملک سے امداد ملتی ہے، نہ کسی این جی او سے ... نوے فیصد مدرسے عام دینی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کی بڑی تعداد رجسٹرڈ ہے جبکہ پاکستان کی شرح خواندگی میں عام مدارس کا حصّہ خاصا اہم ہے۔"[1]

سول سوسائٹی اور جامعہ حفصہ

اس کے برعکس سول سوسائٹی کے ڈالر خور نائن الیون کے بعد دہشت گردی کا سبب افغانستان و عراق پر مغربی صلیبی حملوں اور امریکی وحشیانہ ڈرون حملوں کا بھول کر بھی ذکر نہیں کرتے اور مغربی میڈیا کی ہم نوائی میں یک طرفہ طور پر دینی مدارس پر شیلنگ کرتے رہتے ہیں۔ ان دنوں اسماعیلی شخصیت صدر الدین ہاشوانی کا اخبار 'ایکسپریس' سول سائٹی کے ترجمان سیکولر اور سوشلسٹ عناصر کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ گزشتہ دسمبر میں سول سوسائٹی کی منہ جھاڑ سر پھاڑ قسم کی عورتوں اور ان کے حامیوں نے جامعہ حفصہ (اسلام آباد) کے سامنے مظاہرہ کرتے ہوئے نازیبا نعرے لگائے اور فریقین میں تصادم کی کیفیت پیدا ہو گئی جسے پولیس نے بمشکل روکا۔ یہ صورتِ حال ملکی سلامتی اور استحکام کے لیے بڑی تشویش ناک ہے۔

سول سوسائٹی اور نسوانی بے حیائی

سول سوسائٹی نسوانی بے حیائی کو اپنا حق قرار دے کر اسے فروغ دے رہی ہیں، آٹھ دس سال پہلے تک مغربی ممالک میں 'کیٹ واک' کے نام پر نسوانی بے پردگی اور بے حیائی کے مظاہرے ہوتے تھے، لیکن مشرف دور میں پاکستان میں 'کیٹ واک' کا حیا سوز سلسلہ شروع ہو گیا اور اب آئے دن کراچی، لاہور، اسلام آباد میں فیشن شو کے نام پر کیٹ واک کا انعقاد ہوتا ہے جس میں بے حیائی کے مظاہرے تمام حدود پھاند رہے ہیں۔ سرکاری تائید و حمایت سے ایسی حرکات اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مقاصدِ قیام کی سراسر نفی کرتی ہیں، جس کے بانیوں نے اس خطۂ زمین میں اسلامی قوانین کی عمل داری اور مسلمانوں کو اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرنے کے وعدے کیے تھے۔

---

1 روزنامہ جنگ، لاہور... ۱۳ جنوری ۲۰۱۵ء

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

پروفیسر محمد عاصم حفیظ[1]

ہندوستان میں مذہب اور سیکولرازم کی کشمکش

'پی کے' فلم کے تناظر میں

بھارت میں نامور بالی وڈ سٹار عامر خان کی فلم 'پی کے' ریلیز ہونے کے بعد خوب ہنگامہ بپا ہے۔ ہندو انتہا پسند تنظیموں کی جانب سے ملک بھر میں ہنگاموں کے ساتھ ساتھ فلم کے ہیرو اور پروڈیوسر پر مقدمات بھی درج کرائے گئے ہیں۔ آر ایس ایس اور وشوا ہندو پریشد جیسی تنظیموں کا خیال ہے کہ اس فلم میں دیوتاؤں کی توہین کی گئی ہے جبکہ ہندو مذہب کے بنیادی نظریات کو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

جہاں ایک طرف انتہاپسندوں کی جانب سے تنقید اور احتجاج کا سلسلہ جاری ہے تو دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ فلم مقبولیت کے نئے ریکارڈز بنا رہی ہے۔ ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۴ء کو ریلیز ہونے والی اس فلم نے کمائی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے ہیں اور یہ بھارت کی اب تک سب سے زیادہ پیسہ کمانے والی فلم بن چکی ہے۔ بھارتی سپریم کورٹ نے اس فلم پر پابندی کی اپیل کو یکسر مسترد کرتے ہوئے فیصلہ سنایا ہے کہ ''جسے فلم دیکھنا ہے، اسے روکا نہیں جا سکتا اور جس کے نظریات مجروح ہوتے ہیں، وہ نہ دیکھے۔'' اس واقعے نے بھارت میں مذہبی انتہاپسندی اور سیکولرازم کے درمیان تفریق اور کشمکش کو مزید واضح کیا ہے۔

اسی سے ملتا جلتا واقعہ بھارت میں فلم 'میسنجر آف گاڈ' کی ریلیز کے حوالے سے پیش آیا۔ یہ فلم ایک سکھ مذہب سے تعلق رکھنے والے ڈیرہ سچا سودا کے سربراہ گرومیت رام رحیم سنگھ نے بنائی ہے۔ گروجی نے اس فلم میں بطورِ ہیرو خود اداکاری کے جوہر بھی دکھائے ہیں۔ آپ ان گرو صاحب کے نام سے ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کیسی شخصیت ہوں گے یعنی رام (ہندو دیوتا)، رحیم (اللہ تعالیٰ کے نام کا استعمال) اور سنگھ یعنی سکھ مذہب سے تعلق۔ یہ گروجی فلم کے ساتھ ساتھ عام زندگی میں بھی خود کو ایک سپر ہیرو کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہوا کہ ان کی فلم کو سنسر بورڈ نے نمائش کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ سنسر بورڈ کے تمام ارکان کا فیصلہ تھا کہ یہ فلم معاشرے میں توہم پرستی اور مافوق الفطرت نظریات کو فروغ دے گی۔ اس میں گروجی کو معجزے کرتے دکھایا گیا ہے۔ سنسر بورڈ کی جانب سے انکار کے بعد گروجی نے عدالت سے رجوع کیا جس نے فلم کی نمائش کی اجازت دے دی۔ اس فیصلے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بھارتی مرکزی سنسر بورڈ کی سربراہ لیلیٰ سیمسن اور کئی ارکان نے استعفیٰ دے دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ فرسودہ مذہبی توہمات پر مشتمل اس فلم کو سینماؤں میں دکھانے کے فیصلے کے بعد اپنے عہدے پر نہیں رہنا چاہتیں۔

1 mah_skp@hotmail.com ... موبائل: 0321 7165256

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

اس واقعے کا ذکر کرنے کا واحد مقصد بھارتی معاشرے میں جاری ایک کشمکش کی تصویر دکھانا ہے کہ کس طرح وہاں سیکولر اور کٹر مذہبی نظریات آپس میں پوری شدت سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایک طرف ملٹی نیشنل کمپنیاں، مغرب سے پڑھے نوجوان، مشنری اور انگلش میڈیم تعلیمی اداروں سے نکلے افراد، صنعت کار و تاجر، کاسمیٹکس انڈسٹری، بالی وڈ کی فلم نگری ہے جبکہ دوسری جانب گرو، سادھو، مذہبی اور اُن کے حواری۔ ان کے پاس دلیل نہیں، مذہبی کتب کے حوالے ہیں، فرسودہ روایات، مذہبی تہواروں کی بندش ہے۔ اس تحریر کا مقصد بھی بھارتی معاشرے میں سیکولر ازم کے اظہار، مذہب پر تنقید، الحاد کی لہر اور معاشرتی روایات کی تبدیلی کی روش کو زیر بحث لانا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زبان یکساں ہونے کی وجہ سے اس کے پاکستانی اور اور دنیا بھر میں اُردو سمجھنے والے طبقے پر اثرات کا جائزہ لینا ہے۔

بھارتی فلموں اور معاشرے میں مذہب بیزاری کے اظہار اور مذہبی روایات کا مذاق اُڑانے کے اثرات غیر شعوری طور پر ہمارے معاشرے میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارا دینی طبقہ اس پہلو پر غور ہی نہیں کررہا۔ اگر ہم تاریخی حوالے سے جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی بھی معاشرے کو من پسند طریقے سے ماڈرن بنانے اور مذہبی روایات سے دور کرنے کا عمل ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہی کیا جاتا ہے۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد ایسا لٹریچر، فلم، ڈرامے، اسٹیج، ناول، کتب حتیٰ کہ روزمرہ کے محاورے اور لطائف سامنے آئے جن کا مقصد معاشرے کو ماڈرن طرزِ زندگی اپنانے کی طرف مائل کرنا تھا۔ سامراجی قوتیں اس سے بے پناہ مقاصد استعمال کرتی ہیں، کمپنیاں اشیا بیچ کر منافع کماتی ہیں۔ کارپوریٹ کلچر اور سرمایہ دار معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ مذہبی اور معاشرتی روایات کو کمزور کیا جائے۔ اس کی بڑی مثال مغرب میں عیسائیت کی شکست ہے۔ ایسا صرف اور صرف اس لئے ممکن ہوا کہ عیسائیت کے پاس کوئی ٹھوس عقائد و نظریات نہیں تھے جو کہ سائنس کی دلیلوں کے سامنے ٹھہر سکتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب میں مذہب کو دیوار سے لگا کر کارپوریٹ کلچر اور ماڈرن طرزِ زندگی کی بنیاد رکھ دی گئی۔ ڈیڑھ ارب کی آبادی والے ہندوستان جسے مغربی سرمایہ کار ایک 'منافع بخش مارکیٹ' سمجھتے ہیں، وہاں شاید اب یہی ہونے والا ہے۔

برطانوی نشریاتی ادارہ بی بی سی اس کشمکش کے بارے میں اپنا مخصوص تجزیہ کرتا ہے کہ

> " بھارت کی سیاست، معاشرہ اور اقتصادی نظام اس وقت ایک ایسے مرحلے سے گزر رہے ہیں جس کے مستقبل کے بارے میں کوئی واضح پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ موجودہ دور میں ہر تبدیلی اقتصادی پہلوؤں پر مرکوز ہوتی ہے اور کوئی بھی پہلو جو اقتصادی ترقی کی راہ میں حائل ہو گا، وہ ماضی کا حصّہ بن جائے گا۔ اقتصادی ترقی اور انفرادی آزادی تنگ نظری کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ دنیا کے درجنوں ممالک اپنی تنگ نظری اور غیر جمہوری نظام کے سبب اس وقت انتشار اور افراتفری کا شکار ہیں۔ اس لیے وہ تمام عناصر، نظریے اور تصورات جو جمہوری اُصولوں اور انفرادی حقوق سے متصادم ہوں گے، اُن کی شکست لازمی ہے۔"

بھارتی معاشرے میں تبدیلی کا اہم ترین ہتھیار بالی وڈ ہی ہے کیونکہ اس کے ذریعے ہی معاشرے میں ایسی

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

بحثیں شروع کرائی جارہی ہیں جن میں مذہبی رسوم ورواج اور فرسودہ روایات کو موضوعِ بحث بنایا جارہا ہے۔ اس سے قبل ایک بھارتی فلم 'او مائی گاڈ' کا موضوع بھی ایسا ہی تھا جس میں دیوتاؤں اور خصوصاً گرو اور سادھوؤں کے کردار کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت مذہبی رہنماؤں کے کردار کو لے کر مذہب کو ہی کٹہرے میں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں بہت سے حلقے خوش دکھائی دیتے ہیں کہ انڈین فلمیں اپنے ہی مذہبی نظریات کے کھوکھلے پن کو بے نقاب کر رہی ہیں۔ ان فلموں کا ظاہری تاثر تو ہندو مت کے حوالے سے ہی ہوتا ہے لیکن دراصل ان میں تمام مذاہب کو ہی کسی انسان کے لئے بے فائدہ اور انسانیت کو درپیش مسائل کی جڑ قرار دیا جاتا ہے۔ ان کا مقصد ناظرین کو مذہب سے دور کرنا ہے تاکہ ایسا ماحول پیدا کیا جاسکے جس میں صرف اور صرف سیکولر نظریات اور کارپوریٹ کلچر کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کیا جاسکے۔

اس صورتِ حال میں قابل غور امر یہ ہے کہ ان فلموں، ڈراموں، ناولوں وغیرہ میں ہندو مت اور دیگر مذاہب کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی اسی کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ ہندو دیوتا، سکھوں کے بابا گرونانک، عیسائیوں کے تصورِ خدا اور مسلمانوں کے اللہ تعالیٰ پر ایمان کو ایک ہی طرز کی عقیدت کا اظہار قرار دیا جاتا ہے۔ ہندو گرو اور سادھوں کے کردار کو زیر بحث لاتے ہوئے مسلمانوں کے علماے کرام اور مذہبی رہنماؤں کو بھی اسی طرز پر پیش کیا جاتا ہے۔ دراصل یہی وہ صورتحال ہے کہ جس کا ٹھیک سے ادراک کرنے کی ضرورت ہے۔ ان فلموں میں مذہبی رہنماؤں کو 'مینیجرز' کہا گیا یعنی جو خدا کے نام پر اپنا 'بزنس' چمکاتے ہیں۔ گویا سادھوؤں کی بے پناہ دولت کا تذکرہ کرتے کرتے مساجد ومدارس کو دیے جانے والے چندے کو بھی اسی طرح کی ایک روایت قرار دیا جاتا ہے۔ معاشرے میں اسلامی روایات کی تعلیم کو بھی سادھوؤں اور ہندو پیشواؤں کی فرسودہ روایات کی پاس داری کی طرح پیش کیا جاتا ہے۔

پاکستانی دینی حلقوں اور دنیا بھر میں اُردو دان طبقے میں پختہ اسلامی عقائد رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ نہ صرف اس صورتحال کا انتہائی باریک بینی سے جائزہ لیں کیونکہ بہت جلد اُن کو بھی نوجوان نسل کی جانب سے ایسے سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا کہ جو اِن فلموں میں اُٹھائے جاتے ہیں۔ بھارت میں مذہب کو بے توقیر کرنے کی مہم بہت جلد مسلم معاشروں سے بھی ٹکرائے گی بلکہ کسی حد تک اسلامی مقدس الفاظ اور عقائد اس کا نشانہ بن بھی چکے ہیں۔

بھارت میں سیکولرازم کے اُبھرنے کی کئی وجوہات ہیں۔ ایسا بالکل نہیں کہ مذہبی حلقے کچھ کم اہمیت کے حامل ہیں۔ نریندر مودی کی سرکار آنے کے بعد کٹر مذہبی نظریات رکھنے والے حلقوں کی بے پناہ حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ لیکن ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بھارت میں کارپوریٹ کلچر کے فروغ اور اسے ایک مکمل آزاد مارکیٹ بنانے کے لئے بھی بھرپور سرمایہ کاری کی جارہی ہے۔ انتہائی غیر محسوس انداز میں بھارت کا پڑھا لکھا طبقہ مذہب بیزار اور جدید طرزِ معاشرت کے نام پر سیکولر نظریات کا پیروکار بنتا جارہا ہے۔ عالمی سرمایہ دار بھارت کو

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

ایک منافع بخش خطہ بنانا چاہتے ہیں۔ معاشرے میں ملٹی نیشنل کے کاروبار کو پھلنے پھولنے کے لئے ایک خاص ماحول درکار ہوتا ہے جس کے لئے مذہبی روایات اور رسوم ورواج کو تبدیل کیا جاتا ہے۔ کاسمیٹکس انڈسٹری، نت نئے برانڈز، فیشن انڈسٹری، فوڈ چینز اور ٹیکنالوجی کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ ایسا ماحول بھی موجود ہو کہ جس میں یہ سب فروخت ہو سکے۔ اسی مقصد کے لئے فلم اور ٹی وی پر ماڈرن طرزِ زندگی کو دکھایا جاتا ہے اور سیکولر نظریات کے فروغ کے لئے ہونے والی فلم سازی کے بھی یہی مقاصد ہیں۔

بھارتی فلموں اور ڈراموں میں خاندانی نظام کو بھیانک روپ میں دکھایا جاتا ہے جبکہ بغیر شادی کے جوڑوں کے رہنے کو جدّت کی علامت اور قابل قبول بنانے کی کوشش جاری ہے۔ آج ہم بھارتی معاشرے کے مناظر جگہ جگہ دیکھ سکتے ہیں۔ وہ بھارت کہ جہاں سرکاری سطح پر بھی صرف مقامی تیار ہونے والی گاڑیاں استعمال ہوتی تھیں، اب ایسا نہیں ہے۔ وہاں کھیلوں میں اربوں کی سرمایہ کاری اس طرح ہو رہی ہے کہ فلمی اداکار ٹیموں کے مالک ہیں۔ بظاہر کھیلوں کے یہ میلے معاشرے کو آزادانہ بنانے کی ہی ایک کوشش ہیں۔ آئی پی ایل کرکٹ مقابلوں کو دنیا کے بڑے سپورٹس ایونٹس کا درجہ مل چکا ہے جس میں کھلاڑیوں کی بولی لگا کر نہ صرف ان کو کھلایا جاتا ہے بلکہ ساتھ ساتھ جوئے، تشہیری مہم اور رقص و سرود کے مظاہرے بھی ہوتے ہیں۔ بھارتی کرکٹ کھلاڑیوں کی مقبولیت کو بھی ایک خاص مقصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ یہ شاید پہلا موقع ہوگا کہ بھارتی کے معروف ترین کرکٹر ویرت کوہلی آسٹریلیا میں سیریز کھیلنے اپنی گرل فرینڈ اداکارہ انوشکا شرما کے ساتھ گئے۔ میڈیا نے اس واقعے کو اس قدر مشہور کیا کہ یہ زبان زدعام ہو گیا۔ مغرب میں تو یہ بات معمول کا حصہ ہے لیکن بھارت کے روایتی معاشرے میں یہ واقعہ حقیقتاً معنی خیز حیثیت رکھتا ہے۔

بھارتی معاشرے کی اس تبدیلی نے ہر طبقے کو بھرپور طریقے سے متاثر کیا ہے۔ ملک میں جنسی تشدد کے حوالے سے ہونے والی بحثیں اور اس قسم کے واقعات کی بے پناہ کوریج کو بھی ایسی ہی ایک کوشش قرار دیا جاتا ہے کہ بہت سی قوتیں بھارت میں سوچ کی تبدیلی اور ایسی بحثیں پیدا کرنا چاہتی ہیں کہ جو معاشرے کو مروّجہ مذہبی اور ثقافتی روایات سے دور کر دیں۔ بھارت میں جنسی تشدد کے مسئلے کے بارے میں لوگوں میں آگاہی پیدا کرنے کی غرض سے ایک نئی تصویری کہانی شائع کی گئی ہے جس کی مرکزی کردار یا سپر ہیرو' ایک ایسی لڑکی ہے جو 'ریپ' کے تلخ تجربے سے گزر چکی ہے۔

کچھ سال پہلے تک ہندو انتہا پسند تنظیمیں ویلنٹائن ڈے جیسے مغربی تہواروں کے خلاف احتجاج کرتی اور منانے والوں کے ساتھ سختی سے نمٹتی تھیں۔ لیکن اب حالات نے خود بھارتی قانون، عدلیہ اور اداروں کو بعض ایسی روایات کے تحفظ کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جو اس خطے کی ثقافت اور خود ہندو مذہبی نظریات کی عکاس نہیں۔ بھارت میں بہت سے نوجوان جوڑے جن کے خاندان والے اور والدین اُن کے جیون ساتھی کے چناؤ سے خوش نہیں ہیں، پولیس کے زیرِ انتظام خصوصی پناہ گاہوں میں آرہے ہیں۔ عدالت نے پولیس کو ایسے جوڑوں کو تحفظ دینے اور اسی مقصد کے لیے بنائی گئی پناہ گاہوں میں رہائش مہیا کرنے کا حکم دیا۔ پچھلے سال ہریانہ

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

میں ایسے دو سو جوڑے تھے جنہوں نے ان پناہ گاہوں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بھارتی ذرائع ابلاغ میں ایک جوڑے کی کہانی بہت مشہور ہوئی جنہیں بمبئی کے 'لو کمانڈوز' نے اُن کے والدین سے بازیاب کروا کر ایک کر دیا۔ یہ لو کمانڈوز بوڑھے تاجروں اور صحافیوں کا گروہ ہے جو دس سال پہلے نوجوانوں کو قدامت پسند ہندوؤں اور مسلمانوں سے بچانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ ہے جدید بھارت کی بدلتی ہوئی روایات کی ایک تصویر!!

بھارتی سپریم کورٹ کا فلم 'پی کے' کے بارے میں فیصلہ کوئی پہلا موقع نہیں کہ جب کسی عدالت نے کٹر مذہبی نظریات کی بجائے ایسا فیصلہ سنایا جو کہ ہندو قدامت پرستوں کے لئے غیر یقینی تھا۔ ممبئی ہائی کورٹ نے اپنے ایک حالیہ فیصلے میں کہا ہے کہ حکومت کا کوئی بھی ادارہ کسی بھی فرد کو اپنے مذہب کے بارے میں بتانے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ عدالت نے اپنے مشاہدے میں کہا کہ مذہب اور ضمیر کی آزادی کے ضمن میں 'کسی مذہب پر یقین نہ کرنے کا حق' بھی شامل ہے۔ اس فیصلے کو ماہرین بھارت میں سیکولر حلقوں کے لئے ایک بڑی کامیابی قرار دے رہے ہیں۔

بھارت میں ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت مذہب، مذہبی پیشواؤں، روایات اور عقائد پر تنقید کی جو مہم جاری ہے، اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ خالص اسلامی الفاظ، اللہ تعالیٰ کے ناموں اور دیگر عقائد کو عشقیہ گانوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسلامی عقائد اور روایات کو بھی اسی ترازو میں تولا جاتا ہے کہ جس میں ہندو مت کی قدامت پرستی، دقیانوسیت اور فرسودہ رسوم و رواج کو رکھا جاتا ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ اگر اسلامی عقائد و نظریات کو بھی انتہائی گھٹیا انداز میں پیش کیا جائے گا تو دیکھنے والوں کے دل سے انکے بارے میں عقیدت و احترام کے جذبات کم کئے جا سکیں گے۔ جی ہاں! یہی وہ مقصد ہوتا ہے کہ جو ان عناصر نے ایسے فلموں کے ذریعے حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عقیدت ختم ہو جائے، ذاتِ باری پر ایمان اور مقدس ہستیوں کے احترام کو موضوعِ بحث بنا دیا جائے تو یقیناً اس سے مذہب سے دوری اور مکمل بیزاری کی منزل حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ بھارتی فلموں میں مقدس اسلامی الفاظ کے استعمال کے بڑے ذمہ دار بھی وہ مسلمان رائٹر اور فنکار ہیں کہ جو بھارتی فلم انڈسٹری میں اہم ترین مقام رکھتے ہیں۔ یہ ہی ایسے گانے اور جملے لکھتے ہیں کہ جن سے مقدس الفاظ کی بے حرمتی ہوتی ہے اور سب سے اہم بات یہ بھی ہے کہ یہ سب کچھ ایسے بیہودہ فلمی مناظر کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ جو اسلام کے طرزِ معاشرت کی کھلی مخالفت ہے۔ کسی فلم کی لوسٹوری بیان کرتے کرتے اس محبت کے کرداروں کو خدا، قرآنی آیات اور اسلامی القابات کے الفاظ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ اسلامی سلوگنز اور سمبلز کو گانوں میں ملا کر ان کا تقدس پامال کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور تکلیف دہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے نبی آخر الزماں ﷺ کے ماننے والے نہ صرف اس پر خاموش ہیں، بلکہ کچھ ان حقائق سے لاعلم ہیں تو کچھ جانتے بوجھتے ان ہی گانوں سے تفریح حاصل کر رہے ہیں۔

انتہائی معذرت کے ساتھ چند مثالیں صرف اس لئے پیش کی جارہی ہیں کہ شاید ان کو دیکھ کر ہمارے دینی جذبہ رکھنے والے حلقوں میں کوئی بیداری پیدا ہو۔ وہ اس کو بھی ایک معاشرتی مسئلہ سمجھیں اور کبھی کسی فورم پر

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

یہ بھی بات ہو کہ کس طرح انتہائی خاموشی سے ہمارے دل سے ذاتِ باری تعالیٰ، قرآن اور مقدس الفاظ کی عقیدت نکالی جارہی ہے۔ ان کو فحش و عریاں مناظر کے ساتھ پیش کرکے کتنا بے قدر کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ ان الفاظ کے چناؤ سے بھی آپ کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح محبوب و محبت کے تقابل کے لئے اور کتنے غلیظ خیالات کے اظہار کے لئے مقدس اسلامی الفاظ کو استعمال کرلیا جاتا ہے۔

① اگست ۱۹۹۸ء میں ریلیز کی گئی فلم 'دل سے' کا گانا چھیّاں چھیّاں میں جنت اور آیات کے لفظوں کو کچھ یوں استعمال کیا گیا ہے: "جن کے سر ہو عشق کی چھاؤں، پاؤں کے نیچے جنت ہو گی .... چل چھیّاں چھیّاں .... تعویذ بنا کے پہنوں اسے .... آیت کی طرح مل جائے کہیں .... وہ یار ہے جو ایماں کی طرح میر النغمہ، وہی میر الکلمہ، وہی...."

② جولائی ۲۰۰۲ء میں ریلیز کی گئی فلم 'مجھ سے دوستی کروگی' کے گانے کے الفاظ ہیں: "جانے دل میں کب سے ہے تو.... مجھ کو میرے ربّ کی قسم، یارا ربّ سے پہلے ہے تو..."

③ ۲۰۰۶ء میں کشمیر کے موضوع پر بننے والی فلم 'فنا' میں ایک پہلو یہ تھا کہ تحریکِ آزادیٔ کشمیر کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی تو اسی فلم کے ایک گانے میں کہا گیا کہ "چاند سفارش جو کرتا ہماری.... دیتا وہ تم کو بتا .... شرم و حیا کے پردے گرا کے کرنی ہے ہم کو خطا.... سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ...." اللہ سبحانہ تعالیٰ کی صفاتِ مبارکہ اور اسماے حسنیٰ کے ساتھ بے ہودہ الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے، اس کے پس منظر میں نازیبا حرکتوں کی عکس بندی ہوتی ہے اور پس منظر میں رقص و سرود کے منظر فلمائے جاتے ہیں۔

④ نومبر ۲۰۰۷ء میں ریلیز کی گئی فلم 'سانوریا' کے گانے کے الفاظ ہیں: "جب سے تیرے نینا میرے نینوں سے لاگے رے.... تب سے دیوانہ ہوا.... سب سے بیگانہ ہوا.... ربّ بھی دیوانہ لاگے رے (نعوذباللہ) اسی فلم کے ایک اور گانے میں ماشاء اللہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں.... دل نشیں دلکشی ہو یا جنت کا نور ہو، ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، ماشاء اللہ ...."

⑤ اکتوبر ۲۰۰۷ء میں ریلیز کی گئی فلم 'بھول بھلیاں' کا گانا: "معاف کریں، انصاف کریں، ربّ ہو نہ خفا، جانِ جہاں سے بیگانے، جہاں سے اب میں ہوں، جدا جان لیا ہے میں نے، مان لیا ہے میں نے، پیار کو اپنا خدا سجدہ کروں میں، پیار کا سجدہ سجدہ کروں میں، یار کا سجدہ سجدہ کروں، دیدار کا سجدہ"

⑥ جولائی ۲۰۰۸ء میں ریلیز کی گئی فلم 'بجنی' کے گانے کے الفاظ ہیں: ".... کیسے مجھے تم مل گئیں.... قسمت پہ آئے نہ یقیں .... میں تو یہ سوچتا تھا.... کہ آج کل اوپر والے کو فرصت نہیں .... پھر بھی تمہیں بنا کے .... وہ میری نظر میں چڑھ گیا.... رتبے میں وہ اور بڑھ گیا...."

⑦ اگست ۲۰۰۸ء میں ریلیز کی گئی فلم 'بچنا اے حسینو' کا گانا: سجدے میں یوں ہی جھکتا ہوں.... تم پہ ہی آ کے رکتا ہوں.... کیا یہ سب کو ہوتا ہے.... ہم کو کیا لینا ہے سب سے.... تم سے ہی سب باتیں اب سے.... بن گئے ہو تم میری دعا.... خدا جانے میں فدا ہوں.... خدا جانے میں مٹ گیا ہوں.... خدا جانے یہ کیوں ہوا

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

کہ بن گئے ہو تم میرے خدا"

⑧ دسمبر ۲۰۰۸ء میں ریلیز کی گئی فلم 'ربّ نے بنادی جوڑی' کا گانا "....تجھ میں ربّ دکھتا ہے کے الفاظ ہیں ....تجھ میں رب دکھتا ہے....یارا میں کیا کروں....سجدے میں دل جھکتا ہے....یارا میں کیا کروں...."

⑨ جولائی ۲۰۰۹ء میں فلم Love Aaj Kal کے لیے بھی کچھ اسی قسم کا گانا 'آج دن چڑھیا' گایا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں: "مانگا جو میرا ہے....جاتا کیا تیرا ہے....میں نے کون سی تجھ سے جنت مانگ لی ....کیسا خدا ہے تو بس نام کا ہے....تو رباجو تیری اتنی سی بھی نہ چلی....چاہے جو کر دے تو مجھ کو عطا، جیتی رہے سلطنت تیری....جیتی رہے عاشقی میری...."

⑩ فروری ۲۰۱۰ء میں ریلیز کی گئی فلم My Name is Khan کے گانے کو بھی پاکستانی گلوکار راحت فتح علی خان نے گایا ہے: "اب جان لوٹ جائے...یہ جہاں چھوٹ جائے...سنگ پیار رہے...میں رہوں نہ رہوں...سجدہ تیرا سجدہ کروں....میں تیرا سجدہ..."

⑪ مارچ ۲۰۱۰ء میں ریلیز کی گئی فلم 'پرنس' میں عاطف اسلم نے ایک گانا گایا ہے: 'تیرے لیے' اس میں کہا گیا ہے: "جنتیں سجائیں میں نے تیرے لیے، چھوڑ دی میں نے خدائی تیرے لیے...."

⑫ جولائی ۲۰۱۰ء میں ریلیز کی گئی فلم Once Upon Time in Mumbai کے گانے کے الفاظ ہیں...."تم جو آئے، زندگی میں بات بن گئی....عشق مذہب عشق میری ذات بن گئی..." یہ گانا پاکستانی گلوکار راحت فتح علی خان نے گایا ہے۔

⑬ اس کے علاوہ راحت فتح علی خان نے جولائی ۲۰۱۰ء میں ریلیز کی گئی فلم I Hate Love Story کا گانا بھی ملاحظہ کریں...."صدقہ کیا یوں عشق کا کہ سر جھکا، جہاں دیدار ہوا، وہ ٹھیری تیری ادا کہ رک بھی گیا میرا خدا...."

حاصل کلام یہ کہ پاکستان کے دینی حلقوں کو چاہیے کہ وہ نہ صرف بھارت میں جاری مذہب اور سیکولرازم کے درمیان کشمکش پر بھرپور نظر رکھیں بلکہ بھارتی فلموں اور دیگر مواقع پر اسلامی نظریات وعقائد کو انتہائی غلط انداز میں پیش کرنے کی کوششوں سے بھی بھرپور آگاہ ہوں۔ زبان کی یکسانیت کے باعث یہ سارا مواد پاکستانی اور دنیا بھر میں موجود اُردو دان طبقے کو پوری شدت سے متاثر کر رہا ہے۔ گانوں کے ان گمراہ کن بولوں کے ذریعے جہاں اہل اسلام عشق ومستی کے دل دادہ ہو رہے ہیں، وہاں ایمان ویقین کی لازوال دولت سے بھی ہاتھ دھو رہے ہیں، اور بعض اوقات یہ بول اسلامی عقائد کی توہین اور ذاتِ باری تعالیٰ کی کھلی گستاخی کا بھی مرتکب بنا دیتے ہیں۔ ایسے بولوں کو مسلسل سننے سے انسان فاسق وفاجر ہونے کے ساتھ ساتھ الحاد ودہریت کی گہری کھائیوں میں بھی گرتا چلا جاتا ہے۔

ہمیں اپنی نوجوان نسل اور معاشرے کے ہر طبقے کو وہ فرق سمجھانے کی بھی ضرورت ہے کہ جو اسلام کی لازوال الہامی تعلیمات اور ہندو مت کے عقائد میں ہے۔ اُنہیں یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ ہندو مت کی

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

قدامت پرستی و مذہبی جنونیت اور اسلامی تعلیمات کو ایک ہی پلڑے میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ اگر آج ہندوستانی معاشرے میں مذہب بیزاری کے آثار نظر آ رہے ہیں تو ہرگز ضروری نہیں کہ اسلام کے ماننے والے بھی اسی ڈگر پر چلنا شروع ہو جائیں یا کم از کم ان نظریات سے متاثر نظر آئیں۔ اس تحریر کا مقصد اس اہم پہلو کی طرف اہل علم و دانش کی توجہ بھی مبذول کرانا تھا۔ اگر ہمارے سماجی ماہرین، علماے کرام، سکالرز اور دیگر اہل دانش اس حوالے سے بھی توجہ دیں تو یقیناً اس سے مثبت تبدیلی آئے گی اور اسلامی معاشرے کو بھارتی ثقافتی اثرات سے محفوظ بنانے میں خاطر خواہ مدد ملے گی۔

☆.....☆.....☆

فلم 'پی کے' کی پذیرائی کا دوسرا رخ: اسلامی نظریات کے خلاف ذہن سازی

ٹیکنالوجی کی ترقی نے میڈیا کو عالمی سیاست میں اہم ترین مقام عطا کر دیا ہے۔ بڑی طاقتیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے فوجی، سیاسی یا اقتصادی طاقت کی بجائے میڈیا کو استعمال کرنے لگی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اب فوجی طاقت کے ذریعے کسی کو غلام بنا دینے کا رواج نہیں رہا بلکہ میڈیا کے زور پر ذہنوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔ مختلف قسم کے ذرائع ابلاغ، فلم ٹی وی، انٹرنیٹ، اخبارات وغیرہ کے ذریعے 'نیو کالونیل ازم' کا ایک نیا تصور فروغ پا رہا ہے۔ یہ مضمون کیونکہ ایک فلم کے تناظر میں لکھا جا رہا ہے، اس لئے فلم کے انتہائی اثر انگیز ذریعۂ ابلاغ ہونے کا تذکرہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔

میڈیا کی ایک اہم ترین تھیوری 'میجک بلٹ تھیوری' ہے۔ اس تھیوری کے مطابق میڈیا کسی بھی معاشرے پر گولی کی طرح اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یعنی جیسے کسی ہتھیار سے نکلی ہوئی گولی آناً فاناً ہلاکت و تباہی کا باعث بنتی ہے، اسی طرح میڈیا بھی معاشرے میں ایسا ہی کردار ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ تھیوری جنگِ عظیم کے دوران مغربی ممالک کی جانب سے بنائی جانے والی فلموں کے اثرات جاننے کے بعد پیش کی گئی تھی۔ حال ہی میں ریلیز ہونے والی بالی وڈ فلم 'پی کے' کی مقبولیت اور بھارت کے ساتھ ساتھ دیگر پاکستانی اور دیگر ممالک میں اُردو دان طبقے میں اس کے اثرات کو اسی تناظر میں دیکھا جا رہا ہے۔ اس فلم کا موضوع 'مذہب' ہے جو کہ کارپوریٹ کلچر اور عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی سیڑھیاں چڑھتے بھارت کا ہاٹ ایشو بھی ہے۔ ہندومت نے برصغیر کے مخصوص معاشرتی رویوں کے باعث اس خطے کے بڑے طبقے کو اپنے ساتھ جوڑے رکھا ہے لیکن اب مغرب اور سائنس کے زیر اثر اُبھرنے والی نوجوان نسل ہندومت کی فرسودہ رسومات، مافوق الفطرت نظریات اور عجیب و غریب عبادات کو بوجھ سمجھنے لگی ہے اور وہ ہندو سادھوؤں اور مذہبی پنڈتوں کے طرزِ عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ یہ نسل مذہبی طبقے کی کسی بھی طرح برتری تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

اوپر راقم اس ساری صورتحال کا جائزہ پیش کر چکا ہے جو بھارت میں ہندومت اور سیکولرازم کی کشمکش کے حوالے سے جاری ہے۔ یہاں ہم حال ہی میں ریلیز ہونے والی فلم 'پی کے' کا جائزہ نذرِ قارئین کرتے ہیں جس نے نہ صرف مقبولیت اور کمائی کے ریکارڈ بنائے ہیں بلکہ کئی طرح کی نئی بحثوں کو بھی جنم دیا ہے۔ یوں تو فلم کا ذکر کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے لیکن کوئی ایسی فلم جو بطور خاص مذہب کے موضوع پر ہو اور اس کا دائرۂ اثر

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

بھی غیر معمولی حد تک پھیلتا نظر آرہا ہو، اور اس کی پذیرائی بڑے پیمانے پر کی جارہی ہو تو ایسی صورتحال میں اس کا ناقدانہ جائزہ لینے کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔

فلم 'پی کے' کی پذیرائی اور مقبولیت نے بہت سے دینی حلقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ لاہور کے ایک ایسے ہفت روزہ جہادی اخبار میں بھی اس فلم کا تذکرہ ہوا کہ جو ہندوستان پر تنقید اور ہندومت کا پوسٹ مارٹم کرنے میں شہرت رکھتا ہے۔ اس فلم کے سبق کو اسلام کی سچائی کی علامت قرار دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ ثابت ہو گیا کہ ہندو مذہب کس قدر کھوکھلا ہے اور یہ کہ ہندومت کے سامنے اسلام کی حقانیت ثابت ہو گئی ہے اور ساتھ ساتھ احادیث کی روشنی میں اس بشارت کا بھی تذکرہ کر دیا گیا کہ اسلام ہی غالب آئے گا۔ ایک معروف یونیورسٹی کے اسلامک اسٹڈیز کے معزز پروفیسر نے مجھے بتایا کہ انہوں نے جب سمیسٹر ختم ہونے کے بعد طلبہ کو اپنے بارے میں فیڈ بیک کے لئے کہا تو کئی نے اپنے فارم میں لکھا کہ "سر آپ اتنے اچھے ہیں کہ اس 'گولے' کے لگتے ہی نہیں ہیں۔" مجھے حیرانی اس وقت بھی ہوئی کہ جب اچھے خاصے دین دار لوگ ایک دوسرے کو یہ فلم ضرور دیکھنے کی تلقین کرتے نظر آئے اور مجھے اپنے ایک معزز دوست کے ذریعے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک بڑے اسلامک سکالر نے اس فلم کو مثبت کوشش قرار دیا۔ سوشل میڈیا پر بہت سے ایسے افراد جو کہ اسلام کے نام پر ادا کی جانے والی فرسودہ رسومات اور تصوف کے پردے میں ہونے والی خرافات پر تنقید کرتے ہیں، ان کی جانب سے بھی اس سب کے لئے 'رانگ نمبر' کا تذکرہ سننے کو ملا۔ حتی کہ ایک دینی جماعت کے سرگرم کارکن نے مجھے فخریہ انداز سے بتایا کہ اس نے یہ فلم تین سے چار بار دیکھی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر بعض 'ساہر مجاہد' اس فلم کو اداکار عامر خان کے گزشتہ سال کئے جانے والے حج اور اس دوران ایک نامور پاکستانی تبلیغی عالم دین کے ساتھ ہونے والی ملاقات کا نتیجہ قرار دیتے نظر آئے۔

میڈیا کی تعلیم اور موجودہ دور میں میڈیا کو معاشرتی تبدیلی کے لئے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے حقائق کے پیش نظر ہمیں یہ خیال ستانے لگا کہ چلو کچھ تو اس بارے میں اپنی رائے بھی دی جائے تاکہ بے دھیانی میں ایک خاص رو میں بہہ جانے والے اپنے مخلص احباب کو تصویر کا دوسرا رخ بھی نظر آئے۔

سب سے پہلے تو یہ بات کہ ان سب قدردانوں کو اس بات کا پتہ ہونا چاہیے کہ یہ فلم جس مسلمان اداکار نے بنائی ہے، اس نے دونوں شادیاں ہندو عورتوں سے کی ہیں اور اس کے گھر ابھی بھی ایک ہندو بیوی موجود ہے۔ بعض حلقوں کے مطابق مسز عامر خان 'کرن راؤ' ملحد بن چکی ہیں۔ وہی عامر خان چند ایسے سوال جواب جو کہ ان کے حوالے سے سوشل میڈیا پر شیئر کئے گئے تھے، ان کے حوالے سے پاکستانی ویب سائٹس اور اخبارات کو قانونی نوٹس بھیجنے کا اعلان بھی کر چکے ہیں۔ دراصل ان سوال وجوابات سے ایسا تاثر مل رہا تھا کہ جیسے عامر خان نے اس فلم میں ہندومت پر تنقید کرنے کو جائز جبکہ اسلام کو انتہائی مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس فلم میں ہندومت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسا اسلام سمیت کسی دوسرے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کا واضح مقصد مذہب

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

بیزاری، لادینیت اور سیکولر نظریات کا فروغ ہے۔ بظاہر ہندو پنڈت، سادھو اور گرو ہدف بنائے گئے ہیں اور یہ فلم ان کی براہِ راست مخالفت پر مبنی ہے لیکن دراصل دیگر تمام مذاہب کے مذہبی رہنما بھی کسی رعایت کے مستحق نظر نہیں آتے۔ بین السّطور میں دیا جانے والا پیغام یہی ہے کہ تمام مذاہب اور دینی اقدار انسانیت کے لئے مضر اور بے فائدہ ہیں۔ چند جملے اور مناظر تو ایسے ہیں کہ جن کا جائزہ لینا انتہائی ضروری ہے۔ خیال رہے کہ یہ جائزہ ہم ایک مسلمان کے طور پر لیں گے اور ایک مسلمان کے لئے اس فلم کے پوشیدہ پیغامات کی اہمیت و مضمرات کو واضح کریں گے...:

① فلم کا ہیرو عامر خان ایک موقعے پر کہتا ہے کہ "اللہ کو ہماری مدد کی ضرورت نہیں۔" یہ انتہائی سادہ سا جملہ لگتا ہے۔ لیکن کیا ایسا نہیں ہے کہ ایک پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ دعوتِ دین سے منسلک اور پیغامِ الٰہی کی دعوت دینے والے تمام علماے دین، سکالرز اور دیگر افراد ایک فضول اور بے مقصد سرگرمی میں مشغول ہیں۔ یعنی کہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی بات کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے کسی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس دنیا میں انبیا کی آمد اور ان کے رفقاے کار کی کاوشیں گویا کسی اہمیت کی حامل نہیں۔ آج کے معاشرے میں بھی سب کو چاہیے کہ وہ 'اپنا اپنا کام' کریں اور اُنہیں اللہ کی مدد کرنے کی ضرورت نہیں۔[1]

② فلم میں کئی مواقع پر خدا، رام یا اللہ کے 'مینیجرز' کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس لفظ کا استعمال ہی ایک واضح پیغام ہے کہ دین سے منسلک افراد کو تجارتی اور ذاتی مفادات کے روپ میں دکھایا جائے۔ اُنہیں اس طرح دیکھا جائے کہ جیسے وہ خدا کے نام پر تجارت اور لوگوں کے ساتھ معاملات طے کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ 'مینیجر' وہ ہوتا ہے کہ جو معاملات طے کرتے وقت اپنی سوچ، مفادات اور طرزِ عمل کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے۔ اسی طرح مذہب کو بھی 'کمپنی' کہا گیا ہے۔ اسلام کے علماے کرام تو خدا کی طرف بلاتے ہیں، نہ کہ اُس کے نام پر معاملات طے کرتے ہیں۔[2]

---

۱ یہ بات اپنے ظاہری معنٰی کے لحاظ سے تو درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد یا عبادت کی کوئی ضرورت نہیں، تاہم اس کے باوجود قرآنِ مجید انصار اللہ بننے کی تلقین کرتا ہے، عیسائی اپنے آپ کو نصرانی اور مدینہ منورہ کے مسلمان انصار کہلاتے ہیں۔ اس لحاظ سے انصار کی نسبت حقیقت سے بڑھ کر اسی طرح کی ایک عزت افزائی ہے، جیسے بیت اللہ کو اللہ کا گھر، محرم الحرام کو اللہ کا مہینہ قرار دے کر، اُن کے مقام و فضیلت کو نمایاں کیا گیا ہے، جبکہ اللہ عزوجل کو کسی گھر یا مہینہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہی صورتِ حال سیدنا عیسیٰ کو روح اللہ اور قوم ثمود کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ قرار دینے میں ہے۔ اس بنا پر جب اللہ تعالیٰ نے عزت افزائی فرمائی تو انصار اللہ بننا ایک بڑی سعادت کا کام ہوا، جو مبارک ترین فرض ہے۔ ح م

۲ یہ درست ہے کہ اسلام میں کسی مذہبی پیشوائیت کی کوئی گنجائش نہیں، اور اسلام، یہودی و عیسائی اَحبار و رہبان کی شدید مذمت کرتا ہے۔ لیکن علما و فقہا کا اسلام میں خاص مقام و مرتبہ ہے، اور دین کے بہت سے معاملات کے لیے ان کی طرف رجوع کیے بغیر چارہ نہیں۔ مثلاً دینی احکام کا کسی مخصوص صورتحال پر اطلاق جسے فتویٰ کہتے ہیں، بزبانِ قرآن اہل الذکر کی رہنمائی کا ہی محتاج ہے۔ تاہم یہ پیشوائیت ذاتی فضیلت کے بجائے، اس علم و بصیرت کی طرف لوٹتی ہے جس کا کوئی عالم دین حامل ہوتا ہے۔ غلط پیشوائیت جیسے مینیجر زیا ملّا کا نام دیا گیا اور درست رہنمائی جو علماے حق کرتے ہیں، میں حد امتیاز ر

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

اسی طرح ہندو مت کے سادھوؤں اور گرو حضرات کے طرزِ عمل اور اسلام کے علماے کرام اور سکالرز کو ایک ہی نظر سے دیکھنا انصاف نہیں کیونکہ یہ خود کو خدا کا روپ قرار نہیں دیتے۔ یہ تو خود اسلامی حدود و قیود کے پابند ہوتے ہیں۔ اسلام میں کہیں ایسا نہیں کہا گیا کہ علما و منتظمین کسی بھی قسم کی جوابدہی سے مستثنیٰ ہیں اور نہ کسی حلقے کی جانب سے ایسا دعویٰ سامنے آیا ہے۔ اسلام کا نفاذ ایک عامی اور عالم پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔

③ ایک موقعے پر مختلف روپ دھارے افراد کو پیش کیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مذہب تو صرف ظاہری روپ کا نام ہے۔ جس نے جو روپ دھار لیا، وہی اس کا مذہب ہو گیا۔ اگر اس اُصول کو ٹھیک مان لیا جائے تو آج کے اسلامی معاشرے کا ایک بڑا طبقہ تو مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلامی طرزِ زندگی پر مکمل عمل پیرا نہ ہونے والوں اور سنتِ نبوی کے مطابق ظاہری شکل و شباہت اختیار نہ کرنے والوں کو علماے کرام اور بزرگوں کی جانب سے تلقین کی جاتی ہے، سمجھایا جاتا ہے لیکن اُنہیں کافر تو قرار نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح یہ تصور بھی انتہائی غلط ہے کہ کسی مذہب اور خصوصاً اسلام کی ظاہری شکل و شباہت کو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام نے فطرت کے تقاضوں اور معاشرتی اصلاح کے لئے ایک مکمل طرزِ زندگی دیا ہے جس میں مرد و عورت کے لئے لباس، ظاہری شکل و صورت اور دیگر احکامات موجود ہیں۔ پردے کی پاسداری، داڑھی کا رکھنا اور لباس کے متعلق احکام شریعت پر عمل پیرا ہونا معاشرتی برائیوں کو روکتا ہے، نہ کہ یہ سب صرف اور صرف ایک الگ شناخت کرنے کے لئے ہیں۔ ایک ہندو لڑکی صرف برقعہ پہن کر مسلمان قرار نہیں دی جا سکتی کیونکہ مسلمان ہونا تو ان سب احکاماتِ شریعت پر عمل پیرا ہونا ہے کہ جن کا اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے۔

④ اس فلم میں مذہب پر ایک بنیادی اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ مذہب کی حقیقت ایک خاندانی روایت، اور دین آبا سے زیادہ کچھ نہیں۔ لوگ اسی لیے مختلف مذاہب پر عمل کرتے ہیں کیونکہ انکی نسل و خاندان کا وہی دین ہوتا ہے۔ مذہب کے جواز اور ضرورت کو صرف اس ظاہری پہلو اور خاندانی نہج سے منسلک کر دینا بھی اسلام کی توہین ہے۔ کیونکہ اسلامی عقیدہ تو یہ ہے کہ آباء واجداد کے دین کی بجائے اپنی عقل و دانش کو استعمال کیا جائے اور اپنے خالق کی پہچان کی جائے۔ اسکے فرستادہ پیغمبر کی معرفت حاصل کر کے، اسکے مستند احکامات کی پابندی کا راستہ اختیار کیا جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بہت سے مسلمان آج اس نظریے کی پاسداری نہیں کرتے، لیکن اس سے ان کا اسلام مشکوک نہیں ہو جاتا بلکہ اُنہیں بھی شعور و بصیرت کو کام میں لانا چاہیے اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو بھی خاندانی مذہبی روایت کی محض پاسداری کی بجائے

فاصل یعنی کتاب و سنت کی اتباع کی پروا کیے بغیر، ہر دو کو یکساں اور قابل مذمت قرار دینا، دینی رہنمائی کو ہی سرے سے مشکوک و غیر معتبر بنا دیتا ہے۔ دین میں ہر ایسا کام جو کوئی مذہبی پیشوا اپنی طرف سے اضافہ کرے، وہ بہر حال قابل مذمت ہے۔ اس بنا پر ہر عالم دین کو کاروباری مینیجرز کی فہرست میں شمار کرنا سراسر زیادتی اور عصر حاضر میں دین کے پیغام کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ ح م

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

انفس وآفاق میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کرنے کی جستجو کرنی چاہیے۔ مذہب کو ایک نسلی اور خاندانی روایت قرار دینا اور اسلام کو بھی اس الزام کے تحت گھسیٹ لینا، اسلام پر غلط اور ناروا زیادتی ہے۔

⑤ ایک موقعے پر عامر خان مندر کے چندہ بکس سے رقم چراتا ہے، اور منطق یہ دیتا ہے کہ چونکہ اس کا کام نہیں ہوا، اس لئے وہ اپنی رقم واپس لینے آیا ہے، وہ خدا کے مینیجرز کو یہ رقم استعمال نہیں کرنے دے گا۔ اس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ چندے وغیرہ کی رقم جیسے مذہبی رہنماؤں کی ذاتی ملکیت بن جاتی ہے اور اُنہی کے لئے سہولیات کا باعث بنتی ہے۔ یہ بھی مذہب کی ایک غلط اور محدود تصویر ہے۔[1]

اسلام نے چندے اور صدقات وخیرات کے استعمال کا انتہائی شفاف نظام دیا ہے۔ اس میں بدعنوانی کے بارے انتہائی سخت وعید بھی ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اتنا ہی گناہ گار ہوتا ہے جیسا کہ کوئی عام شخص اگر کسی برائی کا ارتکاب کرے۔

⑥ اسی طرح ہندوؤں کی عبادات کے مافوق الفطرت ہونے، توہم پرستی اور انسانیت سوز ہونے کا ذکر کرتے کرتے اسلامی عبادات کو بھی اس تناظر میں بھی دیکھنا انصاف کا تقاضا نہیں ہے۔ ہندو بھرت اور اسلامی روزہ ایک جیسی مذہبی عبادت نہیں۔ روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں۔ ایک مسلمان کو روزہ رکھ کر عملی اخلاقیات کا مظاہرہ بھی کرنا پڑتا ہے، چغلی نہیں کر سکتا، بد نظری سے مکروہ ہوتا ہے، گالی گلوچ اس کو متاثر کرتے ہیں، حرام کی کمائی نہیں کھا سکتا، جھوٹ بولنے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ اسلام کا نظام عبادت دیگر مذاہب سے خاصا مختلف ہے۔ یہ کسی بھی انسان کو معاشرے کا مفید شہری بنانے کے لئے ہے، نہ کہ ایک راہب اور معاشرے سے کٹا ہوا ایک فرد بنانے کے لئے۔ یاد رہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پیش نظر فلم کے ذریعے بظاہر تو ہندومت کو ہدف بنایا گیا ہے، لیکن اس کے پس پردہ اور بین السطور پیغام میں اسلامی احکام وروایات کی بھی بیخ کنی کی گئی ہے، جس سے مسلمان ناظرین کا متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔

⑦ فلم میں ایسے ڈائیلاگ شامل ہیں جن سے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عبادات کے لئے پیسہ خرچ کرنے کی بجائے لوگوں کی مدد کی جائے۔ یہ سب ہندوؤں کی جانب سے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے کی جانے والی عبادات کے تناظر میں دکھایا گیا ہے، مثلاً دودھ پھینکنا وغیرہ۔ ہمارے ہاں بھی باقاعدہ ایک

---

[1] اس طرح دینی صدقات وخیرات کو خالصتاً ایک کاروباری ڈیل اور لین دین کا معاملہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تصور دیا گیا ہے کہ اسی انسان کو صدقہ دینا چاہیے جس کی ادائیگی کے بعد اس کے دنیا کے مسائل ختم ہو جائیں، بصورتِ دیگر یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی مذہبی پیشوا کی جیب کی نذر ہو رہا ہے۔ اس تصور کو مان لیا جائے تو پھر صدقہ وخیرات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی، اور اسلام کا نظام زکوٰۃ وصدقات ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب کہ اسلام تو صدقہ وخیرات کو ایک عظیم نیکی قرار دیتا اور آخرت میں پہاڑ کی مثل بدلہ ملنے کی غرض سے اس کی تلقین کرتا ہے۔ ح م

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

طبقہ ایسا موجود ہے کہ جو حج و قربانی جیسی عبادات کو ترک کرنے کے لئے یہی دلیل دیتا ہے۔ اسلام غریب اور نادار افراد کی مدد کرنے کی بھرپور تلقین کرتا ہے لیکن اسکے تحت حج و قربانی جیسی عبادات کو ترک کرنا ٹھیک نہیں ہے، ان کی اپنی ایک دینی اہمیت ہے۔ حج اسی پر فرض ہے کہ جو صاحب استطاعت ہو اور اسی طرح قربانی بھی۔ یہ خیال پیش کرنا کہ ان عبادات کو ترک کر دینا چاہیے، اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

⑧ فلم میں مذہب پر عمل پیرا ہونے کی وجہ خوف کو قرار دیا گیا ہے۔ عامر خان واضح طور پر کہتا ہے کہ "جو ڈرتا ہے، وہی مندر جاتا ہے۔" یعنی مذہب کی پیروی صرف اور صرف خوف کے تحت ہی کی جاتی ہے۔ اس کے لئے امتحانات کے تناظر میں طلبہ کے خوف کو دکھایا گیا ہے۔ دراصل ہمارے ہاں بھی ایک ایسا طبقہ موجود ہے جس کا موقف ہے کہ لوگ محض جہنم سے ڈر اور جنت کے لالچ میں مذہب کی پاسداری کرتے ہیں۔ یہ ایک غلط تصور ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں نیک لوگوں کے لئے انعامات اور گناہوں کی عادت بنا لینے والوں کے لئے جہنم کی سزا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ سب انسان کو معاشرے کا ایک بہتر اور باعمل فرد بنانے کے لئے ہی تو ہے، نہ کہ کسی مذہبی پیشوا کی خدمت گزاری کے لئے۔ اسلام ہمیں ایک مضبوط معاشرتی نظام بھی دیتا ہے جس میں تمام کے حقوق اور سب سے مساوی سلوک کی تلقین موجود ہے۔ ہمسایوں کے حقوق ادا نہ کرنے والوں کے لئے سزا ہے، بیوی بچوں، رشتہ داروں، حتیٰ کہ غلاموں تک کے حقوق کی پاسداری کرنے کی تلقین ہے اور نہ کرنے کی صورت میں سزا۔ ذرا تصور کریں کہ اسلام کا سزا کا نظام کس قدر منفرد ہے کہ یہ انسان کو دوسروں کے زیادہ قریب کر دیتا ہے اور مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا مقصد ہی دوسرے انسانوں کا فائدہ پہنچانا ہے۔ اسلام کسی ایسے خوف کا تصور پیش نہیں کرتا کہ جس کا مقصد انسان کو ڈرا کر بزدل بنانا ہو بلکہ سزا کا تصور صرف اس لئے ہے کہ زندگی کو بامقصد اور منظم بنایا جا سکے۔ مزید برآں عبادات، حسن اخلاق، صلہ رحمی اور خدمتِ خلق کے ذریعے بھی اسلام انسان کو پرسکون و مطمئن زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔

⑨ اسی طرح فلم میں یہ بھی تصور پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چونکہ ہم سب کو بھگوان نے بنایا ہے، ہم اس کے بندے ہیں، اس لئے وہ اپنے بندوں کو کبھی بھی مشکل میں نہیں ڈال سکتا، عبادات اور رسوم و رواج کی سختیاں اس کی طرف سے نہیں ہیں۔ یعنی اگر کسی پر کوئی مشکل ہے تو وہ بھگوان کی جانب سے نہیں ہے۔ یہ تصور بھی انتہائی غلط ہے۔ اسلام میں واضح طور پر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے بندوں کو آزماتے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سختی اور تنگی اور اس کے ساتھ عیش و عشرت دے کر بھی اپنے بندوں کو آزماتے ہیں۔ یعنی یہ سمجھنا کہ جن کے ساتھ خدا راضی ہو، ان کو کوئی مشکل نہیں آنی چاہیے جبکہ اگر کوئی مشکل آجائے تو اس سے خدا کے تصور کو ہی جھٹلانا ٹھیک نہیں ہے۔ آزمائش کا آنا خدا کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی عبادت میں کوئی مشکل نظر آتی ہے مثلاً روزہ رکھنا، حج کے دوران

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

magazine.mohaddis.com

سفر کی صعوبت وغیرہ تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ایسی عبادات ہی ٹھیک نہیں ہیں حالانکہ اس فلم میں ایسا تصور دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ آزمائشیں اور پریشانیاں، اسلام کی نظر میں انسان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتی ہیں، جس پر بہت سی احادیثِ مبارکہ شاہد ہیں۔

⑩ فلم کے ایک سین میں مسلمان چرچ میں شادی کے لئے پہنچتا ہے اور وہ ایک ہندو عورت سے شادی کر رہا ہوتا ہے جبکہ آخر میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ وہ دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس لڑکی کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے ہوتا ہے کہ جو کٹر ہندو نظریات کی حامل ہوتی ہے۔ اس سے بھی ایک متنازعہ ایشو کو چھیڑا گیا ہے جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ عامر خان اور اس جیسے دیگر مسلمان اداکاروں کے لئے تو یہ عام سی بات ہوگی لیکن شریعت کی ذرا سی بھی سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی فرد اس کو ہرگز ٹھیک نہیں سمجھتا۔

⑪ فلم کے ایک سین میں عامر خان شراب کی بوتلیں لیکر مسجد کی طرف جاتا دکھائی دیتا ہے۔ اس دوران بیک گراونڈ میں ایک قوالی چلائی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر یا وہ جگہ بتادے، جہاں پر خدا نہ ہو۔" ان دونوں باتوں کی غلطی بڑی واضح ہے۔

⑫ فلم میں متنازعہ مواد کے ساتھ ساتھ دیگر بالی وڈ فلموں کی طرح فحاشی کا عنصر بھی بھرپور موجود ہے۔ اس فلم کو ہندومت پر تنقید اور مثبت کاوش قرار دینے والوں کو اس بارے بھی ذرا غور کرنا چاہیے۔ فلم میں عامر خان انتہائی گھٹیا زبان بولتا ہے جبکہ گالیوں کا بکثرت استعمال بھی کرتا ہے۔ ایک طوائف سے زبان سیکھتا ہے جبکہ 'ڈانسنگ کارز' کو بار بار دکھانے کا مقصد بھی ایک خاص پیغام عام کرنا ہی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی درست ہے کہ اس فلم کے ذریعے دیگر مذاہب کے شرکیہ عقائد پر کڑی ضرب لگائی گئی ہے اور اسلام میں غلط رسوم ورواج اور بدعات وخرافات پر بھی اس میں شدید تنقید موجود ہے، یہ اس فلم کا مثبت پہلو ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلامی دعوت کے لیے فلم کا میڈیا کوئی جائز اور مناسب ذریعہ نہیں ہے۔ مزید برآں اس کے نقصان دہ مضمرات بھی کچھ کم نہیں، جیسا کہ ان کی طرف اوپر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اس فلم میں ایسے کئی مناظر اور ڈائیلاگ ہیں جن کے ذریعے مذہب، مذہبی اقدار اور مذہبی طبقے کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ایسا ہندو مذہب کے تناظر میں کیا گیا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مقصد دیگر تمام مذاہب کو بھی کٹہرے میں کھڑا کرنا ہے۔

شاید دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو اس بات پر کچھ زیادہ اعتراض نہ ہو کیونکہ ان کے پاس ان سوالات کا جواب ہے ہی نہیں کہ جو اس فلم کے ذریعے اُٹھائے گئے ہیں لیکن الحمد اللہ اسلام کا دامن اس حوالے سے خالی نہیں۔ اسلام کے پاس ایک مکمل ضابطہ حیات اور ایسا عالمگیر نظام موجود ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسانیت کی بھلائی اور پرامن معاشرے کا خواب پورا ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس کا احساس کرنے کی ضرورت ہے کہ میڈیا پر پیش کئے جانے والے مواد کے مقاصد کو بھی سمجھا جائے تاکہ اسکے پوشیدہ پیغامات کے اثرات سے آگاہی ہو سکے۔

مجلس تحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ محدث

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز ’لاہور‘ میں عظیم الشان لائبریری

المکتبۃ الرحمانیۃ

اُساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

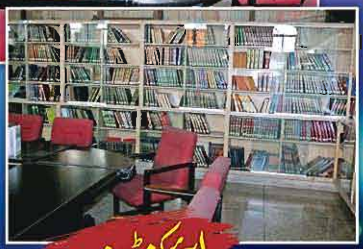

خصوصیات

- ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی ودینی کتابیں
- بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
- لائبریری میں موجود کتب کو گھر بیٹھے سرچ کرنے کی آن لائن سہولت
- پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
- فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
- قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
- عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
- فوٹو کاپی کروانے کی سہولت اور مسجد کا انتظام
- پرسکون محل وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں

ایئر کنڈیشنڈ ہال

سہولیات

- جملہ اُردو وعربی تفاسیر اور علومِ قرآن کی تمام کتب
- حدیث نبوی، شروحِ حدیث اور علومِ قرآن کے بیشتر مراجع
- فقہی مذاہب خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
- اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ
- Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت

اَوقات

صبح 9:00 بجے
تا
شام 5:00 بجے
(چھٹی بروز جمعہ)

بمقام

ادارہ ’محدث‘ 99/جے ماڈل ٹاؤن، لاہور، 042-35866396

موبائل 0305-4600861 (لائبریرین: محمد اصغر)

Designing & Printing: CRYSTAL ART Lhr 0323-7471861

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 47 No.1
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

- **عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں**
  لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- **علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں**
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- **غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے**
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- **تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے**
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- **آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے**
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- **جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے**
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

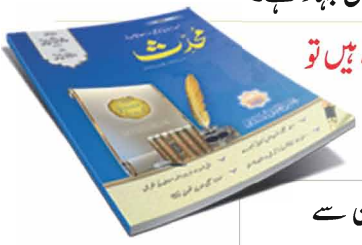

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے